صراطِ مستقیم
ہمدانی ذخیرۂ کتب
مولٰنا شاہ اسمٰعیل شہید

لا اله الا الله محمد رسول الله
صراطِ مستقیم
مترجم اردو
از
مولانا اسمٰعیل شہیدؒ
ادارہ نشریاتِ اسلام
قذافی مارکیٹ
اردو بازار
لاہور

45/-

مولوی محمد عبدالجبار کانپوری نے ترجمہ کیا
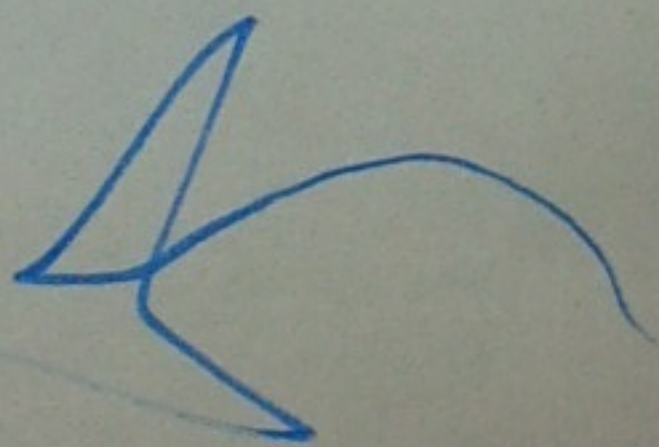
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"۔ کو اپنا ہمدم و ہم نفس اور اپنی جان کا مونس بنائے رکھے اور درود نامحدود صاحب مقامِ محمود پر نازل ہو یعنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ وارثہ وانوابہ الیٰ یوم الدین وعلینا معہم وفیہم برحمتک یاارحم الراحمین[1] امابعد عاجز ذلیل خداوند جلیل کی رحمت کا امیدوار بندہ ضعیف محمد اسمٰعیل عرض کرتا ہے۔ کہ اس کمترین پر خدا تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں۔ اور سب سے بڑی نعمت ہادیِ زمانہ مرشد یگانہ حضرت سید احمد صاحب کی محفلِ ہدایت منزل میں حاضر ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو آپ کے دیر تک زندہ رکھنے سے فائدہ دے۔ اور آپ کے اقوال اور افعال اور احوال کے ساتھ سب طالبانِ قربِ الٰہی کو نفع پہنچادے اور چونکہ یہ عاجز اس مجلسِ عالی میں حاضر ہونے کے وقت کلماتِ ہدایت آیات کے سننے سے کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیرخواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں اور اس کا طریق بجز اس کے اور کوئی نہیں کہ اُن بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کردیا جاوے اگرچہ بحکم ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

حضور اور غیبت میں بڑا فرق ہے اور حدیث اَلشَّاھِدُ یَرٰی مَالَا یَرَاہُ الْغَائِبُ۔[2] اس مدعا پر شاہد عدل ہے لیکن تاہم مقولہ مَالَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ[3] کے اس امر کے تمام کرنے میں کمرِ ہمت کو چست باندھکر تہ دل بازگشت سے نیت خالص کرکے پوری پوری کوشش کی اور اس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب[4] قدرۂ فضلائے زمان زبدۂ علمائے دوران مولانا عبدالحیٔ دام اللہ برکاتہ[5] "جو حضرت سید صاحب بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں" کے لکھے ہوئے جن میں چند مضامینِ ہدایت آگین حضرت سید صاحب کی زبان سے سن کر مولانا صاحب نے تحریر کئے تھے ملے پس

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام نازل ہوں اُن پر اور اُن کی تمام اولاد اور سب اصحابوں پر اور روز قیامت تک جتنے اُن کے وارثان (علم) اور نائبانِ دین ہیں اُن پر اور اُن کے ساتھ اور ان کے زمرہ میں داخل کرکے، ہم پر بھی نازل ہوں تیری رحمت سے اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان [2] یعنی حاضر ایسے امور کا مشاہدہ کرتا ہے جنھیں غائب نہیں دیکھتا [3] جو شئے بتمام حاصل نہ ہوسکے وہ ساری کی ساری چھوڑ بھی نہیں جاسکتی ۱۲ [4] فائدہ رسانی ۱۲ [5] زمانہ ۱۲ [5] اللہ تعالیٰ اُن کی برکتیں ہمیشہ رکھے ۱۲

اُن اوراق کو حلوائی بے دود اور غنیمت بے مشقت سمجھکر اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے باب میں بعینہٖ درج کر دیا اگرچہ اس کتاب کی تالیف میں مناسب بھی تھا جس طرح اس کتاب کے اکثر مضامین کی تحریر کرنے میں صرف جناب سید صاحب کے فرمائے ہوئے کلمات کے ترجمہ ہی پر اکتفا کیا۔ اسی طرح تمام کتاب کے مضامین میں یہی طریق اختیار کیا جاتا لیکن چونکہ آپ کی ذات والاصفات ابتدا فطرت سے رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی کمال مشابہت پر پیدا کی گئی تھی۔ اس لئے آپ کی لوحِ فطرت علوم رسمیہ کے نقش اور تحریر و تقریر کے دانشمندوں کی راہ و روش سے خالی تھی۔ پس ان گہرے مضامین اور اسرار نامعلومہ کا سمجھنا تو تمہید مقدمات اور تمثیلات کے وارد کرنے کے سوا اور سلف متقدمین کی اصطلاح سے ان مضامین کے مطابق کئے بغیر اہلِ زمان کے اذہان پر "جو کہ علوم رسمیہ کے عادی ہو گئے ہیں" محض آپ کی زبان برکت نشان سے صادر ہوئے کلمات کے ترجمہ سے نہایت دشوار معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا سامعین کے سمجھانے کی سہولت کے لئے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقامات کی تمہید اور تمثیلات کے وارد کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص کر قطب المحققین فخر العرفا، الکملین اعلمہم باللہ حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔ معہٰذا اس عاجز نے کتاب کے ہر وہ حصہ کو املا کے بعد حضرت سید صاحب کے گوش گذار کر دیا۔ تاکہ مقصود غیر مقصود سے ممتاز ہو جاوے اور جو نقصان اس ہیچمدان کی مداخلت عقل کے باعث اس کتاب میں آگیا ہو آن جناب کی اصلاح کی وجہ سے اس کا جبر نقصان ہو جاوے اور اس کتاب کا نام صراطِ مستقیم رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمہ پر اس کو مرتب کیا اور بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ اور مبادی کو لفظ تمہید سے اور مقاصد کو لفظ افادہ سے شروع کیا۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ[۵]۔ مقدمہ اور یہ تین افادہ پر مشتمل ہے۔ پہلا افادہ جاننا چاہئے کہ شریعت اور طریقت کا ثمرہ اور حقیقت اور معرفت کی بنیاد حضرت حق جل و علا کی محبت کو حاصل کرنا ہے۔ چنانچہ (فقرہ حدیث) مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا الخ (یعنی جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور

---

۵) یعنی مجھے کچھ توفیق نہیں۔ مگر ساتھ اللہ کے اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اس کی طرف میں گڑگڑاتا ہوں ۱۲ منہ۔

کو دیدہ بازی اور اپنی مجلسوں میں آمدورفت کرنے سے سخت ممانعت کرتے ہیں اور اپنے قرب و جوار بلکہ محلہ و دیار سے نکلوا دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ گالم گلوچ اور مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی ہے مگر وہ عشاقِ مجازی کسی طرح نظر بازی اور معشوقوں کی محفلوں اور مجالس میں آمدورفت سے باز نہیں آتے بلکہ معشوق کے ہاتھ سے مارا جانے اور یار کے کوچہ میں جان دینے کو اپنا بڑا فخر اور کمال عالی ہمتی شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ لوگوں کے اشعار نظمیہ اور کلمات نثریہ اس امر پر دلالتِ صریحہ رکھتے ہیں کیا تو دیکھتا نہیں کہ کسی کی نسبت کلام شکایات آمیز زبان پر لانا یا گلہ کا حرف کہنا کس قدر اُس شخص کی رنجش کا سبب ہوتا ہے اور حبِ عقلی کے مقام میں شاکی اور گلہ کرنے والے کو کس نفس کے مرتبہ میں جا گراتا ہے۔ تاہم اربابِ عشقِ مجازی ایسی حکایات و شکایات کے بیان کرنے میں کسی طرح ضرر نہیں رکھتے بلکہ اپنے کلام کو ایسے مضامین سے رنگین اور مزین بناتے ہیں۔ بالجملہ اس کلام سے ہمارا مقصود حُبِ عشقی کی مذمت ہرگز ہرگز نہیں بلکہ حبِ عشقی اور حبِ عقلی میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا افادہ۔ اُس حُب کے بعض آثار میں سے تفرد ہے یعنی سوائے محبوب کے سب علائق قطع کر دینے اور طرح طرح کے مشاغل اور رنگا رنگ کے علائق کے ہجوم اور عروض سے تنگدل ہونا اور متفرق امور کے نظم و ترتیب سے حوصلہ کا تنگ ہونا مثلاً سیاست منزلی اور سیاست مدنی اور جماعتوں کی امامت و پیشوائی اور عیدوں و جمعوں کے قائم کرنے اہلِ قرابت وغیرہ ذوی الحقوق کے حق ادا کرنے وغیرہ کی برداشت نہ کرنا اور یہی وجہ ہے کہ تزوج اور خانہ داری سے جو تمام علائق کی اصل ہے عاشق کو نہایت نفرت اور وحشت ہوتی ہے۔ **تیسرا افادہ** منجملہ آثار حبِ عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرت سبحانہ وتعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے ہدایت کا واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی عشق کا متعلق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلّی فرماوے تو البتہ میں اسکی طرف التفات تک نہ کروں گا۔ **چوتھا افادہ**۔ منجملہ آثار اس حُب کے علوم اور طاعات ظاہری سے لاپروائی ہے کیونکہ اُن علوم کا شغل پراگندہ امور کے انتظام و ترتیب کی قسم میں سے ہے اور چونکہ اس کا کام بساطت در بساطت ہے اس لئے ایسے امور کا اشتغال اُس کے کاروبار کو پریشان کر دیتا ہے۔

پانچواں افادہ۔ منجملہ آثار حُبِ عشقیہ کے نہ سمجھنا اُس علاقہ کا ہے جو شریعت کے ظاہر اور باطن میں واقع

میں برداشت کے وقت اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت ہیں ظاہر ہوجاتا ہے اور جو تب وتاب اور تعلق : اضطراب محرومی اور مہجوری کے وقت میں برداشت کئے تھے۔ اُن کے بدلے میں سرور وابتہاج کی خلعتیں اور ہم کلامی اور سرگوشی کے سرد یا ہاتھ آتے ہیں غرض پریشانی الفت سے اور وحشت انست سے بدل جاتی ہے :۔ دوسرا افادہ - پھر جب توفیق کا راہبر اس مشاہدہ کی خوشی کے سرست کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچتا ہے تو فنا اور بقا کا مقام پوشیدگی کے پردہ سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ اس اجمال کا بیان یہ ہے کہ جس طرح لوہے کے ٹکڑے کو آگ میں ڈال دیتے ہیں اور آگ کے شعلے ہر طرف سے اسے احاطہ کرلیتے ہیں بلکہ آگ کے اجزاء لطیفہ اُس لوہے کے ٹکڑے کے نفسِ جوہر میں دخل کرجاتے ہیں اور اس کی شکل ورنگ کو اپنا جیسا بنالیتے ہیں اور گرمی اور جلانا جو آگ کی خاصیتوں میں سے ہے اُس لوہے کے ٹکڑے کو بخش دیتے ہیں تو اس وقت ضرور وہ لوہے کا ٹکڑا آگ کے انگاروں کے شمار میں ہوجاتا ہے لیکن نہ اس وجہ سے کہ وہ لوہا اپنی حقیقت کو چھوڑ کر خاص آگ کی حقیقت سے بدل گیا ہے کیونکہ یہ امر تو صریح البطلان ہے بلکہ یہ لوہے کا ٹکڑا فی الحقیقت لوہا ہی ہے مگر شعلہائے ناریہ کے لشکروں کے ہجوم کی وجہ سے اس کا لوہاپن اپنے آثار واحکام کے سمیت بھاگ گیا ہے اور جو آثار واحکام آگ پر مترتب ہوتے تھے وہی آثار واحکام سارے کے سارے بے کم وکاست اس لوہے کے ٹکڑے پر مترتب ہوسکتے ہیں یوں نہیں بلکہ وہ آثار واحکام اب بھی آگ ہی پر مترتب ہیں جس نے اس لوہے کے ٹکڑے کو احاطہ کیا ہوا ہے لیکن چونکہ آگ نے اُس لوہے کے ٹکڑے کو اپنی سواری بناکر اپنی سلطنت کا تخت قرار دے رکھا ہے اس لئے وہ آثار واحکام لوہے کی ٹکڑے کی طرف نسبت کئے جاسکتے ہیں چنانچہ آیت وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ[1] اس کیفیت کا بیان ہے اور آیت فَلَوْ اَدْ وَ مَا رَمَیْتَ[2] اسی کی طرف اشارہ ہے۔ الغرض اگر اس حال میں اس آہن پارہ کو بولنے کی طاقت ہوتی تو سوز زبان کے ساتھ اپنی اور آگ کی عینیت اور یکجان ہونے کا شور اور غل مچاتا اور ضرور خواہ مخواہ ایک ساعت کے لئے اپنی حقیقت سے غافل ہوکر یہ کلمہ بول اٹھتا کہ میں جلانے والی آگ کا انگارہ ہوں اور میں وہ چیز ہوں کہ باورچیوں اور لوہاروں اور سناروں بلکہ پیشہ وروں، کاریگروں کے کاروبار میرے ساتھ وابستہ اور متعلق ہیں اسی طرح جب اس طالب کے نفسِ کامل کو رحمانی کشش اور جذب کی موجیں اور احدیت کے دریا کی گہری تہہ میں کھینچ لے جاتی ہیں تو اَنَا الْحَقّ[3] اور لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی

---

[1] یعنی میں نے اس کام کو اپنے اختیار وارادہ سے نہیں کیا ۱۲ [2] سو تیرے رب نے ارادہ کیا ۱۲ [3] یعنی میں خدا ہوں ۱۲ کہ یعنی میرے جبہ (پہلو) میں بجز اللہ کے کچھ نہیں ۱۲

الٰہیہ کا آوازہ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ۔ اور ایک روایت کی رُو سے وَلِسَانَہُ الَّذِیْ یَتَکَلَّمُ بِہٖ اسی مثال کی حکایت ہے۔ اور حدیث اِذْ قَالَ اللہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ سَمِعَ اللہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ اور حدیث یَقْضِی اللہُ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّہٖ مَاشَآءَ۔ اسی سے کنایت ہے اور یہ نہایت باریک بات اور نہایت نازک مسئلہ ہے۔ چاہیے کہ تو اس میں خوب تامل و غور کرے اور اسکی تفصیل کو دوسرے مقام پر چھوڑ دے قَمَا بَعْدَ ذَالِکَ فَلَا اَقُوْلُ اِلَّا اَنَّہٗ سِرٌّ تَسَاقَطَ النُّطْقُ عَنْہُ اَخْرَسَ۔ یعنی اس کے سوا میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ وہ ایسا بھید ہے جس سے بولنے والی زبان گونگی ہے۔ اور زنہار خبردار اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صادر ہوئی تو پھر اشرف موجودات سے جو حضرت ذات (سبحانہ وتعالیٰ) کا نمونہ ہے اگر انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں اور اس مقام کے لوازم میں سے ہے عجیب عجیب خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا اور دعاؤں کا مستجاب اور قبول ہونا اور آفتوں اور بلاؤں کا دور کر دینا اور اس معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں موجود ہے لَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور اسے پناہ دوں گا۔ اور منجملہ لوازم اس مقام کے ایک یہ ہے کہ اس صاحب حال کے دشمن و بداندیش پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے چنانچہ حدیث قدسی مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے۔

تیسرا افادہ۔ پھر جب کوئی اور لطیفۂ غیبی اور جذبۂ لاریبی اس طالب کو پہنچتا ہے تو اس کے ادراک کو نہایت بڑی وسعت اور بے حساب فراخی حاصل ہو جاتی ہے جس کے سبب سے تمام حقائق کونیہ اور موجودات امکانیہ ذات بیچوں کے سامنے نیست و نابود نظر آنے لگتے ہیں اور جو نسبت پہلے مقام میں اس طالب کے اپنے نفس اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کے درمیان

لہ یعنی میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے ۱۲ ؎ اور اسکی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے ؎ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کہا اللہ نے اُس کی بات کو سن لیا جس نے اس کی تعریف اور حمد کی ۱۲ (باقی برصفحہ)

(البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۱۱۰)

ظاہر ہوئی تھی ۔ اب اس مقام پر جو چیز عرصۂ وجود میں ظہور پذیر ہے اس کے اور حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ
کی ذات کے درمیان ظاہر ہونے لگتی ہے غرض انبساطِ وجود پر حضرت حق کی قومیت کا انبساط اور ان
حقائق متکثرہ کا قیام اس ذاتِ واحد یکتا کے ساتھ اس کی سمجھ میں آجاتا ہے ۔ اور آیت
هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور حدیث لَوْ اَدْلَيْتُمْ
بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السَّابِعَةِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ کے مضمون کے ساتھ دم مارنے لگتا ہے
سبحان اللہ حُبِّ عشقی کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلی علمی کا کیا خوب جذب ہے کہ ایک مشتِ خاک اس
مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہو جاتی ہے اور اس بے قدر مٹی نے بڑے رب الارباب
کے قرب کی مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا ؎

جسم خاک از عشق بر افلاک شد	کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طور آمد عاشقا	طور مست و خر موسیٰ صاعقا

یعنی خاک کا جسم عشق کی بدولت آسمانوں پر چڑھ گیا یہ پہاڑ (عشق کے طفیل) رقص میں آیا اور
چالاک ہو گیا ۔ اے عاشق عشق طور کی جان ہے ۔ طور مست ہے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر گئے ہیں اور
اس مقام کے لوازم میں سے ہے وحدت وجود سے دم مارنا اور معارف الٰہیہ کے ساتھ لب کھولنا
اور ان ابیات کے مضامین کو پڑھنا :- ؎

آنچہ نے میگوید اندر زیر و بم	فاش گر گویم جہاں برہم زنم
جملہ معشوق ست و عاشق پردہ	زندہ معشوق ست و عاشق مردہ

منجملہ احکام حُبِّ نفسانی کے جس قدر بیان کرنا یہاں ضروری تھا وہ بیان ہو چکا باقی رہی اس
مقام کی شرح و بسط خصوصاً مقام فنا اور بقا کی تفصیل پس قوم یعنی صوفیا کی کتابوں سے طلب کرنی

بقیہ صفحہ گذشتہ :- ۷ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو حکم چاہے بھیجتا ہے ۱۲ ۸ یعنی بیشک میں خدا ہوں تمام
جہان کا پروردگار ۱۲ ۹ یعنی جس نے میرے ولی سے دشمنی کی تو میں اسے لڑائی کے لئے (میدانِ کارزار میں) للکارتا اور پکارتا ہوں ۔

حاشیہ صفحہ ہذا :- ۱ یعنی رب سے پہلے اور پیچھے اور ظاہر اور باطن وہی ہے اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱۲ ۲ یعنی اگر تم سب سے
نچلی ساتویں زمین تک ایک رسی لٹکا دو تو وہ اللہ ہی کے علم پر جا گرے گی ۱۲

کے لئے اور اس کے عذاب سے ڈر کر زنا سے پرہیز کرنا باوجودیکہ رغبتِ مصاحبت طرفین کے دامن گیرحال ہے اور شوق و شہوت جوشش زن ہے اور کسی مانع طبعی اور عرفی کا نام و نشان نہیں حالانکہ اس معشوقہ کا وصال حاصل کرنے میں اس نے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں بہت سے اموال خرچ کئے تھے" دخل عظیم رکھتا ہے۔ اسی طرح بخیل مال پرست دمسان طالب عزت و نام کے لئے محض لوجہ اللہ بے حساب مال خرچ کرنا" اس حیثیت سے نام و نشان کی طلب اور مبذول علیہ کی مداحی اور حق شناسی کی امید نہ ہو یا اس کے کسی پہلو احسان کا عوض یا مکافات یا آئندہ اس سے کسی منفعت کے حاصل ہونے کی امید نہ ہو یا سخاوت وجود سے مشہور ہونے کی توقع نہ ہو" ایسا کام کرتا ہے کہ اس کے غیر میں نہیں کرتا اسی طرح مفلس فقیروں اور ذلیل مسکینوں کے ساتھ تواضع کرنا باعزت اغنیا کے حق میں جو اپنے اقران و امثال میں عزت و جاہ سے ممتاز ہوں اور نام و نشان سے زمانہ بھر میں مشہور ہوں۔ اسی طرح ہلاکت کی جگہوں میں پیش قدمی کرنا" جہاں جان و مال کا تلف ہونا اور عیال و اطفال کی بربادی نظر آتی ہو" اہل جُبُن و بزدل لوگوں کے حق میں جنھوں نے میدانِ کارزار اور معرکہ نبرد کا چہرہ آنکھ سے دیکھا اور زمانے کے گرم و سرد کو مطلق نہیں چکھا۔ اور اسی طرح بحث و مناظرہ میں سکوت کرنا اور سچی بات میں جھگڑا چھوڑ دینا اور اپنی نافہمی اور غلط فہمی کا اقرار کرلینا ان علماء کے حق میں جو ذکاوت و تبحر میں مشہور ہیں اور قوتِ مناظرہ اور خصم (جانب مخالف) کے ساکت کرنے میں نامور ہیں اور توجیہ اور تاویل کے فن میں یدطولیٰ رکھتے ہیں اور حل اور منع میں کعب علیا رکھتے ہیں اور اسی طرح ابنائے جنس اقران پر حسد نہ کرنا اور نام و نشان کی مطلق پروا نہ کرنا اور اہلِ زمان میں امتیاز کا طلب نہ کرنا اور خوارق و کرامات و کشف وقائع

ا یعنی پوری طاقت ۲ بڑی دسترس ۳ یعنی کنجوس اس طریق سے مال خرچ کرنا ایسی تاثیر رکھتا ہے ۱۲

۴ یعنی پوری طاقت ۱۲ ۵ یعنی بڑی دسترس ۱۲ ۶ مشکل کرنے میں اور دوسرے پر اعتراض کرنے میں ۱۲

آئندہ اور دعاؤں کی قبولیت کے اظہار میں کوشش کرنا ان مشائخ کے حق میں جو قوت تاثیر سے موصوف ہیں اور کشف وخوارق میں مشہور رہیں۔ پس تو اختلاف اشخاص کے متعلق جو تفاوت تھا اس کا بیان ہوا۔ لیکن بحسب اختلاف اوقات کے جو فرق ہوتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ دیکھو یہ پانی کا پیالہ ہے جیسے سیرابی کے وقت میں خصوصاً آباد شہروں میں اور جاری نہریں کے کنارے پر کوئی کوڑی کے بدلے بھی نہیں خریدتا پھر ناگاہ ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ ایک لق ودق، بے آب وگاہ میدان میں گرفتار ہوجاتا ہے اور شدت پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہوجاتا ہے پس ہزار جدوجہد سے آب زلال کا ایک پیالہ کہیں سے پیدا کرکے اپنی تمام ہمت سے اسکی طرف متوجہ ہوکر اور اپنی زندگی کو اسی میں منحصر سمجھ کر اس پیالہ پر آب کو ہاتھ میں لے کر جاتا ہے کہ خشکی لب اور سوزش سینہ کو اس آب زلال سے دور کرے اور اپنی جان کو ہلاکت سے نجات بخشے اسی اثنا میں ایک اور شخص جو اسی حال میں گرفتار تھا اس کو اپنے اوپر ایثار کیا اور گویا کہ اپنی جان کا عرق نکال کر اپنے جگر سے ایک ٹکڑا[1] کاٹ کر اس شخص کو دیدیا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے کہ ہر طالب علم جو مدرسہ میں بیٹھتا ہے اور ہر فقیر جو کسی خانقاہ میں ڈیرہ لگائے ہوئے ہوتا ہے بلکہ ہر مسلمان جو کسی مسجد میں آمد ورفت رکھتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق بجالاتا ہے پس ناگاہ ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ اس میں اظہار کلمہ حق جانبازی کا موجب اور آبرو ریزی کا سبب ہوتا ہے لیکن اس میں کسی سنت کا زندہ کرنا یا کسی بدعت کا معدوم کرنا آتا ہے والیسے وقت میں کلمہ حق کہنا بڑی قدر وقیمت رکھتا ہے۔ القصہ ان کلمات کا خلاصہ یہ ہے کہ یہی سہل سہل اور آسان آسان کام ہیں کہ بحکم عادت اکثر یہ کوئی عالی ہمت شخص اُن کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کاموں کے لیے رچنداں پرواہ نہیں کرتا اور یہ کام اپنے فاعل کے نفس میں کچھ اثر نہیں بخشتے پھر ایک ایسا وقت آپہنچتا ہے کہ یہی امور افضل عبادات اور مشکل ترین ریاضات بن جاتے ہیں اور فاعل کے نفس میں ایسی تاثیر پہنچاتے ہیں کہ اُن سے ہزار چند امور سے اتنی تاثیر کے حاصل ہونے کی امید نہیں ہوتی۔ **تیسرا افادہ:۔** وہ حُبِّ ایمانی کے موّدات کے منجملہ بڑے مواقع عظیمہ[2] میں کسی فعل کا واقع ہونا ہے۔ چنانچہ شریعت کی تائید اور سنت کے زندہ کرنے اور بدعت کے نابود کرنے

---

[1] پوری طاقت ۱۲ [2] یعنی بڑی دستر س ۱۲

میں کوشش کرنا یا طریق حقہ میں سے کسی طریقت کا رواج دینا یا مقبولانِ بارگاہ حق تعالیٰ
میں سے کسی مقبول کی امداد کرنا یا اہلِ بلا یا دمصائب میں سے کسی مظلوم ستم رسیدہ کی فریاد رسی کرنا یا
یا اہلِ حوائج وغرابت رسیدگان میں سے کسی عاجز کی اعانت کرنا یا کسی اہلِ قلق واضطراب کی تنگی کی
کشاکش کرنا یا کسی پیچ وتاب کے گرفتار سے حالتِ حسرت ناداری کا دور کرنا اور اسی طرح
ایسی سعی وکوشش جس سے نفع عام ظاہر ہو یا اس کی وجہ سے اصلاح فیما بین الناس حاصل ہو،
اگرچہ یہ سعی نفس پر چنداں شاق نہ گذری ہو اور چنداں صرف اموالِ کثیرہ یا اوقاتِ عزیزہ کا
موجب با بذل[عہ] دمرغوبات اور ترک مالوفات[عہ] کا باعث نہ ہوئی ہو۔ فائدہ:۔ عاقل ماہرِ فن
حدیث پر پوشیدہ نہ رہے کہ احادیث رسول امین اور آثارِ سلف صالحین میں جو سہل سہل
اور تھوڑے تھوڑے اعمال پر بڑے بڑے ثمرات کثیرہ کا مترتب ہونا ذکر ہوتا ہے۔ اجمالاً
اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیے یعنی یہ افعال یا دوسری قسم سے ہوں گے یا تیسری قسم سے اور اگر بہ
شرائط صادر ہوں تو اپنے فاعل کے نفس میں حُبِ ایمانی کے پیدا ہونے کو واجب کرتے
ہیں اور حب ایمانی بحسب مراتب خود خود کمالاً ونقصاناً بالذات موجبِ نجات اور
سبب رفع درجات ہے۔ واللہ اعلم۔

تیسری ہدایت:۔ حُبِ ایمانی کے آثار کے بیان میں: اور یہ مشتمل ہے چھ افادہ پر
پہلا افادہ:۔ حب ایمانی کے عمدہ آثار میں سے تمام ہمت وعزیمت حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ
کی رضا جوئی اور اُس کے اوامر کی تعمیل میں فنا ہو جانا اور اس کی رضا جوئی تک پہنچانے والے
مقبولہ طریقت کی اشاعت میں کوشش کرنا اور لوگوں کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی
طرف دعوت کرنے میں جد وجہد کرنا اور ترکِ بدعت وفساد کی طرف اُن کو ہدایت کرنا نہ
مکالمہ ومشاہدہ اور حصولِ مقامات فنا وبقا اور حقائق اشیاء کے مکشوف ہونے کی طلب و
تمنا کرنا ہے اور ہرگز ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ مراد اس کلام سے ان کا محروم ہونا ہے ان مقامات سے
یعنی یہ کہ صاحبان حب ایمانی ان درجات پر ترقی نہیں پا سکتے حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں، بلکہ
سب لوگوں میں سے یہ بزرگ زیادہ تر سعادت مشاہدہ ومکالمہ سے کامیاب ہونے والے

عہ بذل کے معنی خرچ کرنا۔ مرغوبات۔ پسندیدہ چیزیں ۱۲۔ عہ مالوفات۔ دلپسند چیزیں ۱۲

ہیں اور مبدا نہائے فنا کے شہسواروں میں زیادہ تر چالاک اور معارف و انکشافِ حقائق اشیاء کے سمندروں میں سب سے بہتر تیراک ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کا مقصود اصلی اور مراد دلی بجز رضائے مولیٰ و اطاعت مصطفےٰ اور کوئی چیز نہیں ہوتی اگرچہ وہ مقامات رفیعہ اور درجات عالیہ کسی طریقہ کسبی یا محض عنایات و جذبات وہبی سے اُن کے نصیب ہو جائیں۔ بیت

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر ازیں تمنائے

الغرض صاحب اس حب کو سوائے طلب رضائے مولیٰ اور بجز اس کی فرمان برداری کے اور کوئی کام نہیں اور ایسے ہجر اور بُعد سے جو کہ اس کی فرمانبرداری میں خلل انداز اور اس کے غصہ اور غضب کا موجب نہ ہو۔ اسے کچھ عار نہیں اور وہ حالاتِ نفسانیہ اور ملکاتِ قلبیہ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ترقی اور زیادتی میں کام نہ آئیں اُس کے کسی کام کے نہیں اور اسی استغراق ہمت اور فنائے عزیمت کے نتائج سے ہے کل ماسوی اللہ سے تمام علائق حبیہ اور بغضیہ کا" جن کا منشا رضا جوئی خداوندی نہ ہو" منقطع ہو جانا اور خوف خدا اور ان تمام امور کی اصل ایک حالت ہے۔ حالات قلبیہ میں سے کہ اس کا نام وثوق اعتماد علیٰ تربیۃ اللہ ہے جیسے ایک غلام فرمانبردار کو اپنے مولائے مشفق کی تربیت پر اعتماد ہو جاتا ہے کہ وہ غلام اُسی اعتماد کی وجہ سے اپنے حوائج کے حاصل کرنے کی فکر سے ہر حال میں فارغ البال رہتا ہے اور غم اور فکر کی فوجیں اس کے دل پر ہجوم نہیں کر سکتیں اور اپنے مولا کے سوائے اور کسی کا خوف اور کسی دوسرے کی امید اُس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور اپنے مولیٰ کے مال و ملک میں اُس کی اجازت سے بے کھٹکے تصرف کرتا ہے اور اس کے نافرمان غلاموں اور سرکش چاکروں اور بڑی دلیری سے حملہ کرتا ہے اور یہی اعتماد قلبی توکل کی روح ہے اور باقی امور اُس کے قالب ہیں یہ مت سمجھنا کہ توکل کا مقتضا اسباب (عادیہ) کا مطلق ترک کر دینا ہے نہ بلکہ اسباب پر اعتماد کا چھوڑ دینا۔ بیت:

گفت پیغمبر باواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

دوسرا افادہ:۔ منجملہ آثارِ محبت ایمانی کے بلاؤں اور مصیبتوں پر دلیر ہو جانا ہے اور یہ معنی از قسم صبر کے نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنے منعم کی رضا جوئی کے لیے مشقتیں اٹھاتا ہے اور ان مشقتوں کی تلخی اس کے دل اور جان کو پہنچتی ہے لیکن چونکہ

کہ بیرون اس اذعان کے دوزخ کے درکات سے نجات محال ہے اور دوسرے مرتبہ کو ظاہری تقویٰ کا روح شمار کرنا چاہیے کیونکہ ظاہری تقویٰ اور امور ممنوعہ شرعیہ سے بچنے اور نفس بہیمی کے ساتھ لڑائی کرنیکا نام ہے اور اس کی روح مراتب اذعان سے وہی مرتبہ ہے جس کے سبب سے نفس و شیطان سے مقابلہ کر سکیں اور تیسرے مرتبہ کو تقویٰ حقیقی کی روح شمار کرنا چاہیے کیونکہ حقیقی تقویٰ ممنوعات شرعیہ کی نسبت طبعی کراہت ہونے کا نام ہے اور اس کی روح وہی اذعان ہے جو ایمان کی حلاوت ہے اور مراتب احسان سے معدود ہے یہ صاحب اس مقام کے آثار کا ایک نمونہ ہے اور ہر صاحب وجدان سلیم و ذہن مستقیم جو کہ دل کی آنکھ سے ان امور مذکورہ میں تامل کریگا البتہ ان امور یسیرہ سے اثار کثیرہ کا استنباط کرے گا۔

چوتھی ہدایت حُبِّ ایمانی کے بیان میں

اسمیں پانچ افادے اور دو فائدے ہیں

پہلا افادہ:- ایمانی محبت "جو اصل میں نہایت درجہ کا پیار ہے" جب زیادہ تعظیم کے ساتھ ملکر اپنے کمال کو پہنچتی ہے اور سچے منعم کی رضا جوئی پاک مومن کے اندر اور باہر اعضا اور قوی کو اپنے اثروں اور نوروں سے روشن اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور شکر، توکل اور نیکبختی اس کے دل میں جاگیر ہوجاتے ہیں اور تمام موجودات کے پیدا کرنے اور ان میں طرح طرح کے تصرفات سے رنگ برنگ نعمتوں کے ساتھ اس بے قدر ذرہ اور مٹی بھر کی پرورش اور ہر قسم کی بلا اور مصیبت سے اسکی نگاہ رکھنا بھی انہی میں سے ہے" تاثیر کرنے میں اس ذات بابرکات کی یکتائی کا ملاحظہ اس کے ذہن میں مضبوط ہو جاتا ہے اور افعالی توحید جو کہ ایمان بالقدر کا خلاصہ ہے اس کے دل میں یہاں تک بیٹھ جاتی ہے کہ اپنے تمام مال و اسباب کو اپنی ملکیت میں نہیں جانتا بلکہ اپنے آپ کو اس چوپائے کی مانند جو اپنے مالک کے ہرے بھرے کھیت چر رہا ہے۔" خیال کرکے دنیاوی زمینوں اور زندگانی کے سامانوں سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اپنے اعضا اور قوی کو اور اپنی عبادت کو بھی اپنا نہ جانکر اپنے آپکو اس لکڑی یا پتھر کی مانند جسکو اپنے مالک کے کاموں کے صادر ہونے میں واسطہ اور ہتھیار ہونے سے زیادہ کچھ حصہ نہیں" سمجھتا ہے اور رب الارباب کی ربوبیت کے ساتھ اسکا سینہ یہاں تک کھل جاتا ہے کہ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا [1]۔ اسی مقام کی ایک

[1] یعنی ہم اپنے پروردگار کے رب ہونے پر راضی اور خوشنود ہیں ۱۲

رمز ہے اور تکالیف شرعیہ کے اٹھانے پر اس کے سینے میں اسقدر وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ رَضِیْنَا بِالْاِسْلَامِ
دِیْنًا اور ایسا ہی اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ۔ اسی کلام کی طرف اشارہ ہے اور سنت
کی پیروی میں وہ لذت پاتا ہے کہ وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا ایسے ہی بزرگوں کے احوال کا بیان ہے پس خواہ
مخواہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا اور وَاَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ۔ اور
وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اور وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ اور وَھُوَ یَتَوَلَّی
الصَّالِحِیْنَ۔ اور ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خدائے بزرگ اور بلند محبت کے نشان
ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی رضامندی کے نور کہ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ
عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ۔ انہی کی طرف اشارہ ہے روشن ہو جاتے ہیں اور اسکو اپنی ولایت کی پناہ میں لیکر
اور اپنی .... تربیت کے سایہ میں لاکر اپنی ایجادی اور قانونی تدبیر کا ہاتھ بنا دیتا ہے
حاصل کلام جناب پاک سے اسکو بہت سارا اتصال اور ایجادات اور احکامات کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے
کا بڑا ملکہ حاصل ہو جاتا ہے برابر ہے کہ وہ علوم عقلیہ میں ہو یا عوارضِ قلبیہ میں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے
کہ روحانی شریعت والوں نے انسان کے باطن میں دو طاقتیں معلوم کی ہیں۔ اول جاننے والی جو کہ سمجھنے کا کام
دیتی ہے یعنی اس طاقت کے ساتھ ظاہر یا پوشیدہ چیزیں معلوم کر سکتے ہیں اور جس کا نام عقل ہے۔ دوم
ارادہ کرنیوالی طاقت جو کہ علوم اور ادراکات کے سوا خوشی اور غصہ اور بہادری اور ڈر اور پیار
اور دشمنی اور رضا اور کراہت اور ارادے اور شوق اور انہی جیسی اور باقی نفسانی کیفیتوں کے
اٹھانے والی ہے اور جس چیز کا لقب قلب ہے اور ان دونوں طاقتوں کا فرق ظاہر ہے
اسواسطے کہ شجاعت کے معنی کا جاننا اور اس کی حقیقت معلوم کرنا اور چیز ہے اور خود شجاعت اور چیز ہے
کیونکہ بہت سے شجاعت کے معنی کو جاننے والے اس کے تمام اور اس کے حاصل کرنیکے اسباب بحث میں تحقیقات
کرنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی راہزن کا مقابلہ کسی چور کا سامنا ان سے نہیں ہو سکتا اور بہت سی خونریزی میں

لہ اور اسلام کے دین ہونے پر ہم خوش ہیں ۱۲ سے اور کیا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھولدیا ہے تو وہ اپنے رب
کی طرف سے روشنی پر ہے سے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ہم راضی ہیں ۱۲ سے اور جنہوں نے ہمارے
واسطے محنت کی بیشک ہم انکو اپنی راہیں سوجھا دیں گے ۱۲ سے یعنی اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں جس طرح کا گمان وہ میرے
ساتھ رکھے گا ویسا ہی پائیگا ۱۲ سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے پس وہی اسکو کافی ہے ۱۲ سے اور اگر تم شکر کرو گے
تو وہ اسکو تمہارے واسطے پسند کریگا ۱۲ سے اور وہ نیکوکاروں والی ہے ۱۲ سے اور یہ اسوجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مولیٰ یعنی مددگار ہے

میں یکتا اور جنگ آزمائی میں طاق، بہادر اور دلیر ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بہادری کے معنی سمجھنا اور اس
کو باقی نفسانی کیفیتوں سے جدا کرنا ان سے مشکل بلکہ محال معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی مست ہاتھی یا
گرجنے والے شیر جیسے کسی خوفناک امر کا معلوم کرنا اور معاش یا معاد میں نقصان پہنچانیوالے کسی چیز کے ضرر کا
یقین کرنا اور بات ہے اور خود خوف والی کسی ایسی کیفیت کا عارض ہونا کہ رنگ کی زردی اور آنکھوں کی
بے رونقی اور ہونٹوں کا خشک ہونا اور پٹھوں کا سست ہو جانا اور اعضاء کا بیکار ہو جانا اس کے آثار
میں سے ہے۔ اور بات ہے اس لئے کہ خوفناک امر کو تو بہادر اور بزدل دونوں جانتے ہیں لیکن بزدل پر
ایسی حالت گذرتی ہے کہ بہادر پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں آتا اسی طرح کسی خوبصورت آدمی کو خوبصورتی
کے جاننے اور اس کے خط و خال معلوم کرنے میں عاشق اور غیر عاشق برابر ہیں لیکن جو پیچ و تاب اور قلق و
اضطراب عاشق کے دل پر گذرتا ہے غیر کے دل پر نہیں گذرتا۔ جب یہ تمہید ہو چکی اور عقل اور قلب کا
فرق ذہن میں بیٹھ گیا تو جاننا چاہیئے کہ بعض لوگ ابتدائے پیدائش میں عقل کے تیز اور قلب کے کند ہوتے
ہیں اور بعض اس کے برعکس چنانچہ آزمودہ کار لوگوں میں یہ بات پوشیدہ نہیں۔ پس جو لوگ ابتدائی
فطرت میں تیز عقل پیدا ہوئے ہیں جب ان کو ازلی عنایت اس مقام پر پہنچاتی ہے اور یہ عقلی تیزی
سے ان کو مشرف کر دیتی ہے تو اس کو ادراک کی طرف سے امورِ غیبیہ میں خادم بناتے ہیں اور علم کی
جانب سے اللہ جل شانہٗ کی رضامندی اور اس کی ولایت کے نشان اس پر ظاہر کرتے ہیں
مثلاً وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے یا فرشتوں یا پیغمبروں یا ولیوں کی طرف سے
کسی چیز کے سرانجام دینے کا حکم ہوتا ہے یا معاملہ میں کلام کے ذریعہ سے اس کام کی طرف رغبت دلائی
جاتی ہے یا کشف کے طور پر اول سے آخر تک اس واقعہ کا تمام حال اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے
یا امور کی سوچ بچار کے وقت اس مامور بہ کام کے کرنے میں برانگیختہ کرنیوالے (خیالات) اور اس کے
چھوڑ دینے پر اس کی بجا آوری کی ترجیح دینے والے (دلائل) اس کے ذہن میں کھٹکنے لگ جاتے ہیں
اور ایسے ہی ان واقعات کے ظاہر ہو جانے کو "جو تدبیر جہاں کے ساتھ متعلق ہیں" یا ان امور کے
روشن ہو جانے کو "جو مریدوں کی اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں" یا اجتہادی مسئلوں یا گھر یا شہر کے
انتظامی امور کے انکشاف کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اور اسی طرح اپنے ان بھلے برے کاموں کو جن کو
پسندیدگی اور ناپسندیدگی میں اشتباہ ہے۔ نور اور تاریکی کے لباس میں دیکھتا ہے اور شاباش اور ملامت

کو خوبصورت اور بدصورت رنگوں اور خوشنما اور بدنما شکلوں میں معلوم کرتا ہے اور اس قسم کے لوگوں کو اصطلاح اور شریعت میں محدث کہا کرتے ہیں اور جو لوگ ابتداءً پیدائش میں پاک دل والے پیدا ہوئے ہیں امورِ مذکورہ اُن کے دل سے نکلتے ہیں۔ ان کی عقل ان امور کی حقیقت پر آگاہ ہو یا نہ ہو مثلاً جن چیزوں کا وقوع غیب میں اس شخص کی وساطت سے مقرر ہو چکا ہے اُن پر اپنے دل میں ایسی دلیری اور جرأت معلوم کرتا ہے اور برانگیختہ کرنیوالا ارادہ اُسکے دل میں پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اسکو مجبور کر کے اس کام کے کرنے پر آمادہ کر دیتا ہے اور خود یہ شخص اس ارادے اور باعث کے پیدا ہونے کے سبب میں حیران رہتا ہے اور اس کی وجہ کو سمجھ نہیں سکتا اور جن چیزوں کو وقوع غیب میں اُس کی وساطت سے مقرر نہیں ہوا اُن کی نسبت اپنے آپ میں بزدلی اور ان چیزوں کے وقوع میں رکاوٹ اور استبعاد معلوم کرتا ہے) اور ان کے واقع ہو جانے کی کوشش میں سستی اور کاہلی اور ان کے طلب کی مشقتوں کی برداشت میں تکلیف اور تھکان اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے غضب زدوں پر فوارے کی مانند پُر غضب دریا اسکے دل میں جوش مارتا ہے اور اس کے مرحوم بندوں پر بارش کی مانند رحمت اور مہربانی کا دریا اس کے اندر برستا ہے خواہ ان امور پر اسکو اطلاع نہ ہو جو غضب زدوں کے مغضوب ہونے اور مرحوم لوگوں کے مرحوم ہونے کا باعث ہوئے ہیں اور خواہ اچھے اور بد کاموں کے جواز اور عدم جواز کو نہ جانتا ہو۔ ان کے صادر ہو جانے کے بعد اپنے آپ میں خوشی یا دلگیری کو پایا کرتا ہے اور اس حلال اور پاک طعام کی طرف جو غیب میں اس کے کھانے کے واسطے تیار کیا گیا ہے اس کو خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس حرام طعام یا اس کے کھانے سے جو اس کے لیے تیار نہیں کیا گیا اس کو نفرت ہو جاتی ہے خواہ ظاہر میں اُس کے حلال میں حرام ہونے کا حال بالعکس معلوم ہوتا ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی عقل ان امور کی اصلیت سے بے خبر ہوتی ہے اور ان اندیشوں کے دل میں پیدا ہونے کے سبب سے حیران رہتی ہے اور ایسے لوگوں کو شریعت میں شہداء اور حواریین کے نام سے پکارتے ہیں اور ان امور کے طلب کرنے میں صرف دعا کرنا اور غیب کی طرف متوجہ ہونا محدثین اور حواریین کی عادت ہے یہ نہیں کہ صاحبانِ قربِ نوافل کی مانند اُس امر کے واقع ہونے پر اپنی ہمت کو لگا دیں یا کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کے خود درپے ہو جائیں پس دشمنوں سے بدلہ لینے یا دوستوں سے غم خواری کے موقع پر ان بزرگوں سے دعا کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اقطاب اور اوتاد

میں سے بعض امور دونوں قسم سے ہوتے ہیں۔ اور اس مقام کے لوازم سے یہ ہے خواہ اس مقام والا محدث ہو خواہ شہید کہ جو دعا مدعولہ کے ظاہر ہو جانے یا اس کے حاصل ہونے کے پیچھے ارادے کے پیدا ہونے کے بعد صادر ہوئی ہو اس کا قبول ہونا ضروری ہے کیونکہ وہ دعا بھی تقدیر کے ظاہر ہونے کے لباسوں اور فیض غیبی کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے پھر جو شخص اس مدعولہ امر کے باطل کرنے کی
یعنی جس امر کے لئے دعا کی گئی ہے ۱۲
کوشش کرتے ہوئے ان بزرگوں کے مقابلہ میں قائم ہوگا بیشک ناکام اور خوار ہوگا اور جو شخص اس مدعولہ امر کے حاصل کرنے اور رواج دینے میں کوشش کریگا ضرور کامیاب اور فتحمند ہوگا اور اس مقام کی تحقیق اور اس مقصود کی تفصیل صحابۂ کرام اور تابعین عظام وغیرہم بزرگوں کے حالات سے طلب کرنی چاہیئے حاصل کلام اس مرتبے کے امام اور اس گروہ کے بزرگ ان فرشتوں کے زمرے میں شمار کئے ہوئے ہیں جن کو ملاء اعلیٰ کی طرف سے تدبیر امور کے بارہ میں الہام ہوتا ہے اور وہ اس کے جاری کرنے میں کوشش کرتے ہیں پس ان بزرگوں کے حالات کو فرشتوں کے احوال پر قیاس کرنا چاہیئے۔

دوسرا افادہ:۔ اور اس مقام سے برتر اور اعلیٰ مقام ایمان حقیقی کا مقام ہے اور بعض مردان حق اس کمال پر پیدا ہوتے ہیں اور ایمانی محبت اس دلکشا مقام کے چہرے سے پوشیدگی کا پردہ دور کرکے اس کے نوروں کو سو طرح کی روشنی اور رونق کے ساتھ ظاہر کرتی ہے اور اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ جس طرح نفسانی لیاقتوں کے لحاظ سے آدمیوں کے مختلف درجے اور متفاوت دیتے ہیں پس بعض بد لیاقت اور بعض عمدہ لیاقت والے ہوتے ہیں اور بعض میں وہ ملکات طبعی طور پر پائے جاتے ہیں مثلاً اگر تم شجاعت کے بارے میں غور کرو تو معلوم کرلوگے بعض آدمی ابتداء پیدائش میں ہی ایسے دلاور اور بہادر ہوتے ہیں کہ ہمیشہ اپنے ہم جولیوں سے لڑائی کرنے کے خواہاں اور بہادروں کی ہمنشینی کے طالب رہتے ہیں اگرچہ انھوں نے کبھی لڑائی کا منہ تک نہ دیکھا ہو اور رستم اور اسفندیار کی کہانی نہ سنی ہو اور جنگ کے اسباب اور ہتھیاروں کی مشق اور سواری اور شکار کا تجربہ نہ کیا ہو لیکن بہادری اور دلاوری کا دریا انکے دلوں میں جوش مارتا رہتا ہے اور وہ لڑائی بھڑائی کے واقف کاروں کی ہمنشینی کے واسطے کوشش کرتے ہیں اور جنگ آزمودہ لوگوں کو یا لباس میں اُن کی چال ڈھال کو مثلاً پگڑی باندھنے اور کرتا پہننے اور زرہوں کے استعمال کرنے اور ایسے ہی سپاہیوں کی سی پوشاک کو اور اسی طرح بول چال اور مجلس اور سواری میں انہی کے طریق کو جو دل سے پسند کرتے ہیں اور جنگ کے مناسبات میں سے ہر چیز کو محبت اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں

ماہرِ فنِ حرب کے ہزار استاد طرح طرح کی تربیت اور تادیب سے اس کو فنِ جنگ کی تعلیم کرنا چاہیں وہ ہرگز لڑائی اور سپہ گری کے لائق نہ ہوسکے گا اور سارے شاہنامہ سے اس شعر کے سوا کچھ بھی یاد نہ کرے گا؂

منیژہ منم دخت افراسیاب ۔۔۔ برہنہ تنم را ندید آفتاب

یعنی میں افراسیاب کی بیٹی منیژہ ہوں۔ میرے بدن کو آفتاب نے کبھی برہنہ نہیں دیکھا۔

اسی طرح فیضِ ربانی کی طرف نسبت کرنے سے انسانوں کے تین طبقہ ہیں پس ہم پہلے طبقے والے لوگوں کے طبعی اجمالِ کمال کا نام حقیقی ایمان مقرر کرتے ہیں اور جب وہ پیدائشی اجمالی کمال اپنے وقت کے نبی کی پیروی کے سبب سے تفصیلی قوانین کے ساتھ کھل جاتا ہے اور شریعت کے سانچوں میں سے ایک سانچے میں ڈھل جاتا ہے تو اس کے طبعی چراغ پر جو ازل الآزال میں عنایتِ خداوندی کے تیل سے روشن ہوچکا تھا یہ شریعتِ حقہ شیشے کی مانند احاطہ کرلیتی ہے اور اس کے بسیط نور کو ہمرنگ کرکے نہایت ہی عجیب اور غریب رونق بخشی ہے پھر جبلی نور کے جمع ہوجانے سے وہ ملتِ حقہ جس نے اس صاحبِ کمال کے باطن سے دوبالا رونق حاصل کی ہے؛ چمکنے والے ستارہ کی مانند عالمِ ملک اور ملکوت کے اختر شناسوں کی عقل کی آنکھ کو حیران کردیتی ہے اور کمالات کے میدانوں اور شہسواروں اور احوال اور مقامات کے دریاؤں کے تیراکوں کے وجود سے هُوَ سَبَقَنَا اِلٰی الْعِتْقِ سَیِّدُنَا[1] کی ندا نکل آتی ہے اور اس قسم کے صاحبانِ کمال کو شریعت کی زبان میں صدیقین کہا کرتے ہیں ان داناؤں اور عقلمندوں پر جن کو ذہن کی لطافت اور طبیعت کی صفائی کے باعث اس کلام کے مغز اور اس مقام کے خلاصہ تک رسائی ہے پوشیدہ نہ ہوگا کہ صدیق من وجہ انبیاء کا پیرو اور من وجہ شریعت کا محقق ہوتا ہے۔ پس اگر صدیق زکی القلب ہوگا تو مخصوص اقوال اور افعال میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی اور نارضامندی کو مخصوص عقائد کے صحیح اور غلط ہونے اور خاص لوگوں کے عادت اور استعداد دوں کے بھلا برا ہونے

؂ نوٹ:۔ اصطلاح اہلِ طریقت میں فیضِ ربانی کو شرح رحمانی کہا کرتے ہیں اور اس کی حقیقت یہی ہے کہ عموماً افرادِ انسانی اس رتبے کی ہدایت کرنا جس میں حضرت حق جل وعلا کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل ہو۔ اور ایسے عقائد اور افعال اور اخلاق سے پرہیز کرنا کہ جو ہوں جو معاش اور معاد میں نقصان دہ ہوں اور تدبیر منزل اور مدینہ کے عمدہ انتظام پر قادر ہوجائے ۱۲

[1] اس میں اس کلام کی طرف اشارہ ہے جو امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ابوبکر سیدنا واعتق۔ ابوبکر ہمارے سردار اور پیشوا ہیں اور ہمارے سردار کو انہوں نے آزاد کیا۔ دوسرے سید سے مراد بلال رضی اللہ عنہ ہیں ۱۲

اور جزئی معاملات اور واقعات کے بگڑنے اور سدھرنے اور ان کے ضروری انتظام کو اپنی طبیعت کے نور سے معلوم کرلیتا ہے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جان لیتا ہے کہ فلاں بات یا فلاں کام اللہ جل شانہ، کو پسند یا ناپسند ہے اور فلاں عقیدہ درست یا غلط ہے اور فلاں خلق اچھا ہے یا برا اور فلاں معاملہ جو کہ فلاں گھر والوں یا شہر والوں کے درمیان منعقد ہوا ہے یا فلاں رسم جو فلاں قوم کے لوگوں میں مروج ہے انتظام کے موافق ہے یا مخالف پس ان امور مذکورہ کے احکام اس کو دو وجہ سے معلوم ہوتے ہیں ایک تو دل کی شہادت سے جو خاص کر ان امور سے متعلق ہے۔ دوم عام طور پر کلیات شرع میں ان کے مندرج ہونے کے سبب سے اور جو علم کہ پہلے طریق سے اس کو حاصل ہوا ہے وہ تحقیقی ہوا ہے اور جو علم کہ دوسرے طریق سے حاصل ہوا ہے وہ تقلیدی ہے اور اگر وہ صدیق ذکی العقل ہو تو اسے طبعی نور کی ان کلیات حقہ کی طرف رہنمائی کی جاتی ہے جو خطیرۃ القدس میں عام طور پر نوع انسانی کے پرورش کے واسطے مقرر ہوئے ہیں اور وہ کلیات اس کے ذہن میں ہمیشہ محفوظ رہتی ہیں وہ انہی کلیات سے تمام جزئیات کو استنباط کر سکتا ہے پس شرعی علوم اسکو دو طریق سے حاصل ہوتے ہیں ایک تو جبلی نور کے ذریعہ سے دوسرے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطے سے مثلاً وہ اپنے دل کی شہادت سے جانتا ہے کہ جو کام ایسا ہو اور فلاں چیز پر مرتب ہو اور اس سے فلاں ثمرہ حاصل ہو تو وہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند یا ناپسند ہے اور جو عقیدہ فلاں حقیقتوں سے تعلق رکھتا ہو یا فلاں صفات اور اسماء الٰہی کو بیان کرے یا فلاں واقعات پر دلالت کرتا ہے اور فلاں طریق سے حاصل ہوا ہے وہ عقیدہ درست ہے، اور معاش یا معاد میں نوع انسانی فلاں طریق سے ماخوذ ہو وہ عقیدہ باطل ہے یا معاش یا معاد میں نوع انسانی کی تربیت میں کسی کام نہیں آتا اور اس کا پڑھنا پڑھانا فضول معلوم ہوتا ہے اور جو خلق اور ملکہ فلاں نتیجہ دے یا اس کے حاصل کرنے میں فلاں فلاں امور کی حاجت پڑے وہ اچھا ہے ورنہ برا اور جس معاملہ اور رسم سے فلاں مصالح حاصل ہوں وہ مقبول اور ضروری انتظام کے موافق ہے۔ ورنہ اس کا رد کرنا واجب ہے، اور وہ انتظام کے مخالف ہے پس کلیات شریعت اور احکام دین میں اس کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا شاگرد بھی کہہ سکتے ہیں اور ان کا ہم استاد بھی کہہ سکتے ہیں اور نیز ان کے اخذ کا طریق بھی وحی کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں نفث فی الروع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اسکو باطنی وحی کہتے ہیں پس ان بزرگوں اور انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام

امتوں کی طرف مبعوث ہوتے اور بزرگ سلطان حکم کو قائم کرتے ہیں اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے اور بڑے بیٹوں کو اپنے باپ سے نسبت ہوا کرتی ہے کیونکہ ان کے درمیان بھی من وجہ نبوت کا علاقہ ہے اور من وجہ اخوت کا اور یہ لوگ تمام آدمیوں سے انبیاء کی خلافت کے زیادہ حقدار رہتے ہیں اگرچہ ظاہری تسلط ان کو نصیب نہ ہو اور اگرچہ جہلا ان کی ریاست کو نہ مانیں اور اسی معنی کو امامت اور وصایت کے ساتھ تعبیر کیا کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو بعینہ پیغمبروں کا علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوا حکمت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جو مخصوص عنایت اور ولایت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ہوئی ہے اور ان کی اسی مخصوص عنایت کی وجہ سے اپنے امثال میں امتیاز حاصل ہوا ہے۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ[1]۔ اور اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰہِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ[2]۔ اور وَکُلًّا فَضَّلْنَا عَلَی الْعٰلَمِیْنَ وَمِنْ اٰبَآئِہِمْ وَذُرِّیّٰتِہِمْ وَاِخْوَانِہِمْ وَاجْتَبَیْنٰہُمْ وَہَدَیْنٰہُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ اور وَاذْکُرْ[3] عِبٰدَنَآ اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰہُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ ۝ وَاِنَّہُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ ۝ اسی معاملہ کا بیان ہے اور اسی برگزیدگی کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی رضامندی ان کی رضامندی میں داخل کی گئی اور اللہ عزوجل کی فرمانبرداری ان کی فرمانبرداری پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصے نے ان کے غصے کے ساتھ اتصال پیدا کیا ہے۔ اسی عنایت اور ولایت کے نمونہ اور اسی بزرگی اور عزت کے عکس سے ان ربانی حکیموں اور انبیاء مرسلین کے وارثوں کو حصہ ملا کرتا ہے جسکو قوم[4] کی اصطلاح میں وجاہت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اور سید الحکماء و سید العلماء شیخ ولی اللہ رحمہ اللہ ذکائے عقل کے ساتھ ملی ہوئی صدیقیت کو جو اس حکمت اور وجاہت کے لوازمات میں سے ہے قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرب الوجود محض عطایا الٰہیہ اور صرف طبعی چیز ہے

[1] یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں پیغام پہنچانے والے چھانٹ لیتا ہے اور آدمیوں میں ۱۲ [2] بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو اور عمران کے گھر والوں کو جہانوں پر چن لیا ہے ۱۲ اور ہر ایک کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت دی ہے اور ان کے باپ دادوں اور انکی اولاد اور انکے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے ہدایت کی ہے اور انکو پسند کر لیا ہے اور سیدھے رستہ پر چلایا ہے ۱۲ [3] اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں اور آنکھوں والوں کو یاد کر وہم نے ان کو ایک چنی ہوئی آخرت کی یاد امتیاز دیا ہے اور بیشک وہ سب ہمارے ہاں چنے ہوئے نیک لوگوں میں ہیں ۱۲ [4] قوم سے صوفیہ مراد ہیں رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ۱۲

ہے. کسب اور اکتساب اور حدوث اور دقتِ تدریج ثابت ہوتا ہے جیسے انسان کی انسانیت محض پیدائشی چیز ہے لیکن جو چیز کہ اس کو باقی حیوانات سے جدا کرتی ہے وہ قوتِ عاقلہ ہے جو ابتدا پیدائش میں پوشیدہ ہوتی ہے کیونکہ (اسوقت) چھوٹے بچے اور چوپائے میں کچھ فرق نہیں ہوتا بلکہ چھوٹا لڑکا سمجھنے اور بوجھنے میں چوپائے سے بہت کمزور ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس چھپی ہوئی قوت کا اثر علوم کے ملنے کی وجہ سے معلومات میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور جیسا کہ ابتدا کلام میں مذکور ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہی مہربانی جو ازل الآزال میں اس صاحب کمال کے بارے میں عنایت ہوئی ہے ہر وقت اور ہر مرتبہ میں اس کو نئی مہربانی اور تازہ تربیت کے ساتھ پسندیدہ افعال اور صحیح عقائد اور عمدہ اخلاق اور اچھی رسموں اور معاملوں کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے ناپسندیدہ کاموں اور غلط عقیدوں اور بُرے کاموں اور خراب معاملوں اور رسموں سے طرح طرح کے واقعات اور تصرفات کے ساتھ نگاہ رکھتی ہے. پس وہ ضرور انبیاء کی اس محافظت جیسی نگہبانی کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے جس کو عصمت کہا جاتا ہے. اس کا بیان یوں ہے کہ جس طرح بعض لوگوں کو کسی خوبصورت آدمی کے عشق یا ہنر اور کمال کی طلب یا مال اور جاہ کے حاصل کرنے وغیرہ کسی قلبی عارضہ میں استغراق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے اُس کے قویٰ بہیمیہ میں خلل پڑ جاتا ہے اور اس فتور کے باعث ایسے کاموں کی طرف ان کے دل میں کچھ التفات ظاہر نہیں ہوتی جو عرف یا شریعت میں قبیح ہیں۔ اور ان امور کے ارتکاب کا ارادہ ان کے دل میں پکا نہیں ہوتا اور بعض دوسرے آدمی جو عقل کی تیزی اور طبیعت کی نزاکت اور سرشت کی پاکیزگی پر پیدا ہوئے ہیں اور شفیق آباء اور سکھانے والے استادوں کی تربیت اُن کے حق میں خرچ ہوتی ہے ان کا قبائح مذکورہ سے پرہیز کرنا عقل کی تیزی اور طبیعت کی وجہ سے ہوگا اور ان کی عقل کی تہہ سے ان قبائح کی نسبت وہ تعذر پیدا ہوگا جو جبلی طہارت والے شخص کو نجاست اور ناپاک چیزوں سے ہوا کرتا ہے اور اگر کسی وقت ان سے خطا اور نسیان کے طور پر قبائح مذکورہ کی طرف رغبت اور میلان ہو جائے تو بیشک وہ شفیق ہزار حیلہ سے اس کو ان ناپاک چیزوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے ہٹا رکھے گا اسی طرح بعض اہلِ کمال پاک عشق کے غلبہ اور حضرت ذوالجلال کے مشاہدہ کے استغراق اور فنا اور بقاء اور چیزوں کے حقائق کے منکشف ہونے کے مقام میں کوشش کرنے کے باعث مختلف ارادوں کے فنا ہو جانے سے کامیاب ہو جاتے ہیں اور اسی فنا کے سبب ناپسندیدہ فعلوں اور باطل عقیدوں اور بُری عادتوں اور خراب

معاملوں سے بچے رہتے ہیں اور یہ جینا ارباب قرب النوافل کا حصہ ہے اور بعض اہل کمال نور جبلی اور عنایت ازلی کے باعث بھلے کو بُرے سے تمیز کر کے اپنے آپ کو قبائح مذکورہ سے پاک رکھتے ہیں، اور اگر کبھی ان سے امورِ مذکورہ کی طرف کچھ رغبت اور توجہ ہو جائے تو ان کے ارادے کے دامن کو ازلی عنایت پکڑ کر عجیب غریب معاملات سے ان گندگیوں کے ساتھ آلودہ ہونے سے باز رکھتی ہے کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ[ل]۔ اسی معاملہ کی حکایت ہے، اور یہ حفظ انبیاء اور حکماء کا نصیب ہے اور اسی کو عصمت کہتے ہیں۔ یہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور حکمت اور وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے واسطے ثابت کرنا خلافِ سنت اور اختراع بدعت کی جنس سے ہے اس واسطے کہ ان امور میں بہت سے امور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں میں صحابہ کبار کے مناقب میں وارد ہوئے ہیں چنانچہ اہل حدیث میں سے واقف کاروں پر پوشیدہ نہیں اگر کلام کے طویل ہو جانے سے ملال اور دلگیری کا خوف نہ ہوتا تو ان حدیثوں میں سے کچھ حدیثیں اس جگہ ذکر کی جاتیں اور یہ مت سمجھنا کہ اس کمال والے لوگ جہان سے منقطع ہو چکے ہیں اور قرب الوجود روئے زمین سے محو ہو گیا ہے بلکہ جب تک کہ روشنی اور اندھیرے کا توسن رفتار دورنگ گھوڑا دوڑنے میں ہے وجود کا میدان حال اور مقام کے شاہسواروں کے گھوڑے دوڑانے کی جگہ ہے۔ ہاں صاحب کمال کے کمال پر یقینی علم حاصل ہونے کا طریق جو کہ نبی صادق کی خبروں میں منحصر ہے نبوت کے زمانے کے گذرنے کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہے جیسے کہ اس زمانے کے گذر جانے کے بعد غیر منصوص مسئلوں میں شریعت کے حکموں میں سے کسی حکم پر قطعی علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں حالانکہ مجتہدین کے اجتہاد کا امر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں اس قدر جلوہ گر ہوا کہ اس کا عشر عشیر بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں واقع نہیں ہوا تھا اور اس کمال والے پر خدائے تعالیٰ کی غیرت اسی قسم کے لوازمات سے ہے اس کی تفصیل اس طور پر ہے کہ جب اس ازلی عنایت نے ابتدائے فطرت میں استحقاق اور اکتساب کے بغیر اور واسطہ اور حجاب کے سوا ہی اس صاحب کمال کو مقبولوں کے زمرے میں مقرر کیا ہے اور ہمیشہ بلا واسطہ اس مقبول کی تربیت میں لگی ہوئی ہے پس اگر کسی وقت لوازم بشریت کے تقاضے کے ساتھ اس مقبول کے دل سے خدا تعالیٰ کے ماسوا کسی کی طرف کچھ توجہ ہو جاتی ہے اور اس چیز کے ساتھ علاقہ حاصل ہو جاتا ہے یا کسی امر کو امن ہو

[ل] بیشک زلیخانے یوسف کا قصد کیا اور یوسف نے اس کا قصد کیا اگر اپنے پروردگار کا برہان نہ دیکھتے تو ہوتا جو ہوتا ۱۲

میں سے جن کے پائے جانے کے باعث ان کا جبلی نور ظاہر ہوا ہے اپنی تربیت کا واسطہ جان لے تو وہی ازلی عنایت اس واسطے کو کسی تدبیر کے ساتھ توڑ دیتی ہے اور اس خیال کو دور کر دیتی ہے اور بنی آدم کے نیک بندوں کے دل میں قبولیت کا نازل ہونا بھی اس مقام کے آثار میں سے ہے کہ اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ عَبْدًا[1] نَادٰی جِبْرِیْلَ اِنِّیْ اُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبَّہٗ فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ ثُمَّ یُنَادِیْ فِی السَّمَاءِ اِلٰی اَنْ قَالَ حَتّٰی یُوْضَعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ۔ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے اور اس قبولیت کی حقیقت اس صاحب کمال کی وجاہت کا ان کے دلوں کے آئینوں میں منعکس ہوتا ہے جو صاف اور سلیم ہیں اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح آدمیوں کے اعضا اس اعتبار سے کہ جو عارضہ محبت یا غصے یا خوشی کی مانند دل پر عارض ہوتا ہے تو اس کے آثار ظاہری اعضاء پر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اُن کے دلوں کے لئے آئینے کی طرح ہیں اسی طرح بنی آدم میں سے نیک بندوں کے دل چونکہ غفلت اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے کے زنگ سے صاف ہیں خطیرۃ القدس کی طرف نسبت کرنے سے آئینہ کا حکم رکھتے ہیں مثلاً جس چیز کا واقع ہونا خطیرۃ القدس یعنی دربار خداوندی میں مقدر ہو چکا ہے اکثر نیک بخت لوگ اسکو قبل از وقوع خواب یا معاملہ میں دیکھ لیتے ہیں اور کم سے کم اس کے واقع ہو جانے کی رغبت یا اس کے اسباب کی جمع آوری کی ہمت اپنے آپ میں معلوم کرتے ہیں۔ پس جب اس صاحب کمال نے اپنے منعم کے پاس عزت حاصل کر لی ہے اور دربار الٰہی میں راستے کا قدم پکا کر لیا ہے اور رفیق اعلیٰ میں مقام صدق پا لیا ہے تو خواہ مخواہ اس کی عزت کا پرتو نیک بندوں کے دلوں میں پڑ جاتا ہے پس جو نیک آدمی اس کو دیکھتا ہے یا اس کے پاس بیٹھتا ہے یا اس کے حال اور کمال پر مطلع ہوتا ہے تو ضرور اس کو تہہ دل سے دوست رکھتا ہے اور اس کے علموں اور خبروں کو صمیم قلب سے مانتا ہے بلکہ اس کی جمال و معال پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہی اوضاع اور اطوار اس کے غیر میں پائے جائیں کہ اس کی طرف کوئی صالح آدمی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کرتا۔ یہ سمجھنا کہ مقصود اس کلام کا یہ ہے کہ اس مقام والے کے ساتھ تمام لوگ محبت کرتے ہیں اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے اَنْتُمْ شُہَدَاءُ اللّٰہِ عَلَی الْاَرْضِ۔[2] اور یہ بات تو نہایت ہی واضح ہے کہ دانا اور عقلمند اور جوانمرد اور عادل ہی شاہد ہوا کرتے ہیں، غافل نادان، بدکار لوگوں کو شاہد نہیں بنایا جاتا بلکہ اگر اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بزرگ لوگوں کی محبت

---

[1] جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا دوست بناتا ہے تو جبرئیل کو پکارتا ہے کہ میں فلاں آدمی کو دوست رکھتا ہوں تم بھی اسے دوست رکھو پس جبرئیل اسے دوست رکھتے ہیں پھر آسمان میں ندا کرتے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) حتیٰ کہ زمین میں اسکے واسطے قبول رکھی جاتی ہے۔

[2] یعنی لوگ زمین پر اللہ کے شاہد ہیں ۱۲

بیاپ کرنے والے کے ایمان اور پرہیزگاری کی علامت ہے ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ۔ اور ایسے بزرگواروں کا بغض، کینہ کرنے والے کے نفاق اور بدبختی کا نشان ہے کہ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ وَلَا يُبْغِضُهُ إِلَّا مُنَافِقٌ شَقِيٌّ۔ اسی معنی کی طرف اشارہ ہے

تیسرا افادہ:۔ اور شرعی حدود اور مظان حکم اور ان کے اشباح کو خود ان کی جگہ قائم کرنا اور عموماً نوع انسانی کی پرورش کے رکنوں اور ادبوں اور شرطوں اور مفسدوں کو مقرر کرنے میں نیابت عن اللہ کا مقام اس مقام سے بڑھ کر ہے اور یہ مقام مستقل طور پر تو انبیاء و مرسلین میں سے اصحاب شریعت کا مقام ہے اور ان کی متابعت سے ظلی طور پر انبیاء کرام کی فرمانبرداروں میں سے بعض ان بزرگوں کو بھی اس مقام سے کچھ حصہ ملتا ہے جن کو قوم کی اصطلاح میں مفہمین کہتے ہیں اور صاحبانِ تعلیم کے پیشوا اور صاحبانِ تفہیم امام حضرت شیخ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب الفرائض تھا۔

چوتھا افادہ:۔ غافلوں کو جگانے اور جاہلوں کے عذر کو دور کرنے اور مخالفین اور منکرین پر دلیل یا تلوار اور نیزے کے ساتھ حجت پورا کرتے ہیں نیابت عن اللہ کا مقام سے برتر و بلند ہے کیونکہ ایسے لوگوں کی برکت سے بھرے ہوئے وجود سے قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ کا مضمون ثابت ہوتا ہے اور یہ مقام مستقل طور پر انبیائے اولوالعزم کا مقام ہے اور ان کی فرمانبرداری سے بعض بڑے باعمل عالم اس مقام کے ظل اور اس کے فخر کے عکس سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں جن کو قوم کی اصطلاح میں حجۃ اللہ کہتے ہیں اور آپ (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ) کی اصطلاح میں اس مقام کا نام قرب ملکوت ہے۔

پانچواں افادہ:۔ اور اس مقام سے اعلیٰ اور بلند مقام ریاست اور دار و اطوار ہے اس کا بیان یہ ہے کہ جس طرح زمانہ کے کسی حصہ میں اللہ تعالیٰ کے فیض سے معاش کے امر میں نوع انسان کی پرورش ایک خاص طور پر واقع ہوتی ہے اور اللہ عز و جل کی وہ عنایت جو عام انسانوں کی طرف خرچ ہو رہی ہے اسی لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور جو صاحب کمال نوع انسانی کے تربیت کے واسطے نیابت عن اللہ کے مقام میں قائم مقام ہو چکا ہو۔ اسی وجہ کے تکمیل میں بڑی کوشش کرتا ہے اور جب وہ وجہ اپنے کمال پر پہنچ جاتی ہے

۱؎ یہ سن چکے اور جو کوئی ادب رکھے اللہ کی نام کی چیزوں کا سو وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے موضح القرآن ۱۲

۲؎ یہ حدیث حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمائی ہے یعنی پرہیزگار، ایماندار کے سوا کوئی شخص اسکو دوست نہیں رکھتا اور بدبخت منافق کے سوا کوئی آدمی اس سے دشمنی نہیں رکھتا ۱۲ ۳؎ کہہ دے کہ اللہ کے لئے مخصوص ہے ۱۲

خاتمین اور فاتحین کا لقب دیا جاتا ہے۔ یعنی ان لوگوں کے وجود سے گذشتہ دورہ کی نتیجہ کی نہایت اور آئندہ دورہ کے کمال کا آغاز ہوتا ہے اور حضرت شیخ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس مقام کا نام مقام فردانیت ہے اور اس دورہ میں جتنے اہلِ کمال پائے جاتے ہیں حقیقت میں وہ اسی امام رہ رد کے پیرو ہیں خواہ اسکو جانیں یا نہ جانیں اور ان کی پیروی کے یہ معنی نہیں کہ وہ قصداً اس امام کی تقلید کرتے ہیں یا ان کی تربیت کا سلسلہ اس امام تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس مقام میں اتباع کے یہ معنی ہیں کہ جو شانِ الٰہی اس دورہ میں ظاہر ہوتا ہے یہ لوگ بھی اسی کی خدمت میں جان و دل سے کوشش کرتے ہیں اور اس شان کے مناسب جتنے علم پہلے پہل اس امام کے دل میں ڈالے گئے تھے دوسری دفعہ غیب کے خزانے سے ان بزرگوں کے دلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور جس طرح ان علوم کی اشاعت کا عزم اول اول اس امام کے دل میں پیدا ہوا تھا اسی طرح وہی عزم ان بزرگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے — **پہلا افادہ:**۔ چونکہ تینوں مقام مستقل طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے مانے گئے ہیں اور ان کے ماسوا اور لوگوں کو ان کمالات کے ظل اور ان مقامات کے نمونے کے سوا اور کسی چیز تک رسائی نہیں باوجودیکہ ایسے بزرگ ان مفاخر کے اشباح کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں تاہم کبریت احمر اور اکسیر اعظم کی طرح نادر الوقوع اور کمیاب ہیں اور اسی واسطے ان تینوں مقاموں کے بحث میں اجمالی اشارات پر اکتفا کر کے انکی تفصیل کو دوسرے مقام کے حوالہ کیا گیا ہے اور نیز ان مقامات کی کنہ کو بلکہ تمام کمالوں کی تحقیق ان خوبیوں کے حاصل ہونے اور ان مفاخر تک پہنچے بغیر ہو ہی نہیں سکتی پس ان مخفی بھیدوں کے ظاہر کرنے میں کوشش کرنا اور تکلیف اٹھانا لاحاصل اور بیفائدہ ہے

فرد۔ داغ غلامیت کرد پایہ خسرو بلند   صدرِ ولایت سرو بندہ کہ سلطان خرید

فائدہ:۔ یہ نہ جاننا کہ راہِ ولایت اور راہِ نبوت آپس میں متباین ہیں کہ ولایت کے رستے کے چلنے والے راہِ نبوت کے مقامات پر ہرگز کامیاب نہیں ہو پاتے یا راہِ نبوت کے طالب حالات ولایت کا مورد نہیں بنتے یا حبِ عشقی والے حبِ ایمانی سے خالی ہوتے ہیں اور حبِ ایمانی والے حالات عشقیہ سے غافل رہا کرتے ہیں ایسا ہرگز نہیں کیونکہ تم نے کتاب فتوح الغیب کو" جو ولیوں کے پیشوا اور صاحبانِ فنا و بقا کے امام فضیلتوں اور بزرگیوں والے حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے،" دیکھا ہوگا جو ساری کی ساری فنائے ارادہ کے مضمون سے جو حبِ ایمانی کا خلاصہ ہے بھری ہوئی ہے اور وحی کے بند ہونے کے زمانے میں اس پیچ و تاب اور قلق و اضطراب کی حکایتیں تم نے سنی ہوں گی جو حضرت

بیت در کارخانۂ عقل از کفر ناگزیر است ۔ دوزخ کرا بہ سوزد گر بو لہب نباشد۔ اس جگہ
ایک جواب طلب سوال باقی ہے جس کا بیان یوں ہے کہ جب افعال اور اقوال کا مدار ازلی استعدادوں
پر ہے اور ازلی استعدادیں آدمیوں کی طاقت سے باہر ہیں پس سرکش کافروں اور ضدی بے
فرمانوں پر الزام اور سزا کا طریقہ بند ہو جاتا ہے (کیونکہ حقیقت میں وہ لوگ مجبور اور بے اختیار
ہیں) اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے دو طرح کی مخلوقات پیدا کی ہے ایک قسم تو وہ کہ اس
میں علم اور ارادہ پیدا نہیں کیا جیسے درخت اور پتھر اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس میں یہ دونوں
صفتیں امانت رکھی ہیں جیسے جن اور آدمی۔ پس جن میں علم رکھا گیا ہے چونکہ وہ اپنی ذات اور
صفات اور اعضا اور جوارح اور اقوال اور افعال کو معلوم کرتے ہیں تو البتہ ان مذکورا امروں
کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً جانتے ہیں کہ یہ ہاتھ اور پاؤں ہمارے ہیں اور یہ قول اور فعل
ہم سے صادر ہوا ہے پس جو فعل ان کے ارادے کے ذریعے سے صادر ہوتے ہیں گو ان کا پیدا
کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے البتہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل ہمارے ارادے سے صادر ہوئے ہیں
اور چونکہ باقی احکام شرعیہ کی مانند مذکورہ فعلوں کی نسبت انسان کی طرف قرآن مجید سے صراحتہً
ثابت ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ جس طرح باقی احکام قرآن کریم سے سمجھ کر انہوں نے
قبول کئے ہیں۔ اس حکم کو بھی قبول کریں۔ اور اپنے بد کاموں کو اپنی طرف نسبت کریں اور
اسی بات کا جان لینا کہ یہ کام ہمارے ارادے سے صادر ہوا ہے سزا اور تنبیہ کے متوجہ ہونے
کیلئے کافی ہے لیکن یہ بات کہ آدمی کو علم کیوں دیا گیا یا ارادے کی صفت کیوں پیدا کی گئی یا اس
کے ارادے کو ان افعال اور اقوال کی طرف کیوں متوجہ کیا گیا پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام
ازلی استعدادوں کے آثار کے ظاہر ہونے کے قبیل سے ہیں اور ازلی استعدادوں کی تفاوت
کا سبب آغاز کلام میں ذکر کیا گیا ہے اور اگر کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب ثابت ہو گیا کہ
بیت ہر یکے را بہر کارے ساختند۔ میل اورا در دلش انداختند۔ پس پیغمبروں کے بھیجنے اور
کتابوں کے نازل کرنے اور دلیلوں کے قائم کرنے اور دعوت کے ظاہر کرنے اور پڑھنے پڑھانے
میں کوشش کرنے اور جہاد اور حدود کے مشروع ہونے میں کیا حکمت ہے پس میں جواب دیتا
ہوں کہ اگرچہ تمام مخلوقات بلا واسطہ عزوجل کے پیدا کی ہوئی ہے لیکن اس حکیم مطلق نے اپنی

خالب حکمت کے تقاضے سے بعض چیزوں کو بعض موجودات کے ساتھ گانٹھ دیا ہے اور مسببات اور اسباب کا سلسلہ پیدا کر دیا ہے جیسے آفتاب کا جسم اور اسکی روشنی اگرچہ دونوں بلاواسطہ بلا حجاب اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے ہیں لیکن روشنی اور آفتاب کے جسم میں اس خداوند کریم نے ایک خاص ربط پیدا کر دیا ہے کہ اسی ربط اور پیوند کی وجہ سے آفتاب کو سبب اور روشنی کو مسبب کہتے ہیں پس یہی قیاس کرنا چاہیے کہ اگرچہ جتنے فعل اور قول جو ارادے والی چیزوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں لیکن ان فعلوں اور ارادوں میں سببیت اور مسببیت کا جوڑ اسی مطلق حکیم نے اپنی حکمت کے مقتضا سے واقع کر دیا ہے اور اسی طرح صاحب ارادہ چیزوں کے ارادہ کے درمیان اور پیغمبروں کے بھیجنے اور کتابوں کے نازل کرنے اور انہی جیسے مذکورۃ الصدر امور کے درمیان سببیت کا علاقہ مضبوط کر دیا ہے مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ فرمانبردار لوگوں کے دلوں میں ان کاموں کا ارادہ جنکی بجا آوری کا حکم کیا گیا ہے۔ ہدایت کرنیوالوں کی ہدایت اور سکھانیوالوں کی تعلیم سے پیدا ہوا ہے یا بت پرستی یا زنا کرنے اور شراب پینے کا ارادہ جہاد کرنے اور حد لگانے کے خوف سے نابود ہو گیا ہے اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ تمام افعال اور اقوال اگرچہ ازلی استعدادوں کے آثار ہیں لیکن صرف پوشیدہ استعداد پر سزا نہیں دی جا سکتی اس واسطے کہ استعداد الزام کے قابل نہیں۔ بد آدمی اپنی بدی سے انکار کر سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کو اپنے برابر جانے اور اپنی سزا اور نیک کام کے ثواب کو ظلم اور بیداد سمجھنے لگے نیز عدل اور حکمت اور مروت کے ساتھ متصف بادشاہوں کی عادت یہی ہے کہ اپنے علم کی وجہ سے خواہ وہ یقینی ہی ہو کبھی انعام اور سزا نہیں دیتے اس کا نمونہ یہ ہے کہ ایک حاکم اپنے رفیق کو جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ بڑا بہادر ہے اور کسی میدان جنگ میں قصور نہ کریگا اور کوشش اور جوانمردی کی داد دیگا لیکن میدان جنگ میں کسی نمایاں امر کے ظاہر ہونے کے بغیر اس کو ایسا انعام نہ دیگا جس سے اس کو دوسرے لوگوں پر فوقیت حاصل ہو اور اس کی ضد کی مثال میں اتنا ہی کافی ہے کہ ایک شخص بھیڑیے کے بچے کو پالتا ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ انسان پر حملہ کرنا اور اسے پھاڑ ڈالنا اس کی طبعی عادت مگر اس کے اثر کے ظاہر ہونے کے سوا اس شخص کا غضب جوش نہ ماریگا اور وہ اس کے ہلاک کرنے کا ارادہ نہ کریگا اور جونہی کسی انسان پر اس نے حملہ کیا اس قدر

غصّے ہو گا۔ کہ قتل کے سوا اور کوئی سزا اس کے واسطے تجویز نہ کریگا اور اس کے مار ڈالنے کے بغیر اس کی تسلی نہ ہو گی اللہ تعالیٰ کی جزا و سزا کے کارخانے کو ایک گونہ انہی تمثیلات میں سے سمجھنا چاہیئے اگرچہ اس علام الغیوب کو ذرہ ذرہ ازلی استعدادیں معلوم ہیں لیکن گناہ کے بغیر اس کا غضب انتقام کا باعث نہیں ہوتا اور ایسا ہی عبادات کے ظاہر ہونے کے سوا اُسکی رحمت کا دریا خوش زن نہیں ہوتا بیت

تا نہ گرید کودکے حلوا فروش ۔۔۔ بحر بخشایش نمے آید بجوش

چوتھا افادہ ۔ مرشد کی تعظیم میں اس قدر افراط کرنا کہ جس سے اس کے خدایانی ہونے کا اعتقاد ظاہر ہو صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو عموماً تمام اہل زمان میں اور خصوصاً ہندوستان کے ملک میں مشہور ہو چکی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بعض مقبول لوگ بھی اس میں پھنس گئے ہیں پس ضروری ہے کہ اسکی حد اعتدال کو سمجھ لینا چاہیئے اس کا بیان اس طرح پر ہے کہ بیشک مرشد اللہ تعالیٰ کے رستے کا وسیلہ ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ط یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اسکی طرف (پہنچنے کیلئے) وسیلہ ڈھونڈو اور اسکے رستے میں جہاد کرو کہ شاید تم نجات پالو۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نجات کے واسطے یہ چار چیزیں ایمان اور تقویٰ اور وسیلہ کا طلب کرنا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا مقرر فرمائی ہیں اہل سلوک اس آیت کو سلوک کی طرف اشارہ سمجھتے ہیں اور وسیلہ مرشد کو جانتے ہیں۔ پس حقیقی نجات کیلئے مجاہدہ سے پہلے مرشد کا ڈھونڈنا ضروری ہے اور سنت اللہ بھی اسی طرز پر جاری ہے اسی واسطے راہبر کے سوا راستہ پالینا نہایت نادر و کمیاب ہے پس مرشد اس شخص کو بنانا چاہیئے جو کسی طرح شریعت کے مخالف نہ ہو اور متابعت قرآن اور حدیث کے سیدھے راستے پر ثابت قدم ہو ایسے شخص کو اپنا ہادی اور مرشد مقرر کرے لیکن ایسا نہ چاہیئے کہ مرید ہر حال میں اس کے اتباع کو منظور رکھے بلکہ مطلق پیشوا مشروع شریف کو جانے اور بالاصالہ خدا اور رسول کے حکم کا متبع ہو۔ اور جو چیز شرع شریف کے رو سے مرشد فرمائے اسے دل اور جان کے ساتھ قبول کرے اور شریعت کے مباح امر کو اس کے حکم کی وجہ سے لازم جانے اور جو کچھ شریعت کے برخلاف کہے اس کی متابعت ہرگز نہ کرے بلکہ اس کو رد کرے حدیث شریف میں وارد ہوا ہے لَاطَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی

نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے اور مرشد کی محبت اس طرح چاہیئے کہ اپنے مال اور جان کو اس کی رضا اور آرام کے واسطے خرچ دے۔ اور دنیا کی کسی چیز کو اس کی رضامندی سے زیادہ عزیز نہ جانے اس لئے کہ جو نفع پیر سے پہنچتا ہے اس کو فائدہ تمام دنیا سے ہزار درجہ بہتر ہے اور اس حد تک پیر کی محبت منع ہے کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کو اس کی محبت کے پہلو میں گوارا کرے۔ کیونکہ یہ بات اللہ جل شانہ کے دربار سے دور ہونے کا باعث ہے تمام محبتوں اور حقوق کی اصل اللہ تعالیٰ کی محبت اور حق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے حق کے سامنے کسی اور محبت اور حق کو خیال میں لانا اس جل شانہ سے محجوب اور اس کی عنایتوں سے محروم ہونا ہے اور اگر پیر کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد کسی طالب حق کو اس پیر میں کوئی منکر کام معلوم ہو جائے۔ پس اس کو نصیحت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے واسطے دعا کرے اور اگر وہ باز نہ آئے اور اس کام کو نہ چھوڑے تو اگر وہ کام فساد عقیدہ کی قسم سے ہے تو اس سے بیعت کو توڑ دے اور اس کو اپنا پیر اور مرشد نہ جانے اور اگر وہ کام فساد عقیدہ سے نہ ہو تو بیعت نہ توڑے لیکن اس کو بلا میں مبتلا جان کر اس کام میں اس کی پیروی کرنا حرام جان کر اس بلا سے اس کی نجات میں ظاہری اور باطنی کوشش بجالائے۔

پانچواں افادہ - اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قبیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہیں امور مذکورہ پر قیاس کر سکیں دور دور کے ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں اٹھا کر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر اولیاء اللہ کے قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہی بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کی غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس سفر کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتے ہیں اور شکل احرام اور محرمین کی صورت بن کر بعینہ اس طرح یا ان کی مشابہ احرام باندھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ بدانجام مسافر اس

سفر میں اور ان کے متعلقین گھروں میں اپنی طرف سے کئی ایک واہیات قیدوں کا التزام کرتے ہیں
القصہ اگرچہ صاف باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا
ہے۔ مگر عام مؤمنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ بیان سے باہر ہے پس سب
خواص وعوام کو چاہیئے کہ ضرور اس امر سے اعراض کریں اسکو بھلادیں اور منجملہ ان بدعات
کے اہل قبور سے مدد مانگنا اور استعانت کرنا ہے کہ ان کو مطلق حاجت روا جان کر طلب اور
آرزو میں شرک کی داد دیتے ہیں اور ان لوگوں کا توحید کے سیدھے راستے سے دور ہوجانا
تو ظاہر ہے لیکن اس جگہ اہل دلوں میں سے ان خاص لوگوں کا حال بیان کرنا منظور ہے جو باطنی
فیض کے حاصل کرنے کے ارادے پر دور کی قبروں کی زیارت کرنے جاتے ہیں پس جاننا چاہیئے
کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے اولیا اور مقبولوں کیلئے موت ایک ایسا پل ہے کہ ان کو اپنے دوست تک پہنچا
دیتا ہے اور ان کو ایسے انعام اور معارف عطا ہوتے ہیں کہ اس جہان میں زندوں کو بہت کم ملا
کرتے ہیں اس بنا پر ان کو زندہ کہنا چاہیئے لیکن اس جہان کے حکموں کی طرف نسبت کرنے سے
بیشک وہ مردہ ہیں جو قدرت اور طاقت اس جہان کے زندوں کو حاصل ہے ان کو ہرگز نہیں
اور اگر فی الواقع ایسی قدرت اور طاقت ثابت اور قبروں کی مجاورت سے مقصود حاصل ہوجاتا
تو سارا جہان مدینہ منورہ کو چلا جاتا اور تربیت اور ارشاد کا سلسلہ بالکل لغو اور بے فائدہ ہو
جاتا۔ پس واضح ہو گیا کہ لوگوں کی تربیت اور ارشاد میں عادت اللہ اسی طرز پر جاری ہے
کہ فیوض باطنی زندوں سے حاصل کیئے جائیں اور اگر کسی وقت کسی شخص کو ایسا زندہ نہ ملے جس سے
مشکل کے حل ہوجانیکا گمان ہو تو اسے دور کے ملکوں سے قبروں کی زیارت کے واسطے سفر نہ
کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید اور حدیث شریف کی متابعت کو لازم پکڑے کیونکہ یہ دونوں چیزیں
حل مشکلات کیلیئے کلید ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے وَتَرَکْتُ فِیْکُمُ
الثَّقَلَیْنِ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ کِتَابَ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِیْ اَهْلَ بَیْتِیْ یعنی میں تمہارے
پاس قرآن اور اپنی اولاد دو بزرگ چیزیں چھوڑ چلا ہوں میرے پیچھے جب تک تم ان دونوں کو مضبوط
پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اور دوسری روایت میں اس طرح پر آیا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ
اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ۔ میں تمہارے پاس اللہ کی کتاب

اور اس کے رسول کی سنت دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوط پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ پس اس زمانہ میں آپ کی پاک آل میں سے مقبول آدمی کا پہچاننا اگرچہ دشوار امر ہے، کیونکہ آپ کی پاک آل میں سے اس حدیث شریف کا مصداق وہی شخص ہو گا کہ اس کے تمام اقوال اور افعال اور احوال قرآن مجید اور حدیث شریف کے موافق ہوں اور ظاہر ہے کہ اس زمانے میں ایسے بزرگوں کا پایا جانا اکسیر اعظم اور کبریت احمر کی مانند نادر و کمیاب ہے۔ لیکن قرآن مجید جو نجات کے لئے بہتر ذریعہ ہے ہر جگہ موجود ہے اور اسی طرح حدیث ہر وقت میسر ہے پس اسی کا اتباع بڑی غنیمت جانے اور اسی کو اعلیٰ ولایت سمجھے اور در حقیقت ہے بھی ایسا ہی اسلئے کہ قرآن و حدیث کی پوری متابعت ہی ولایت ہے اور اگر ان کو قوت اور طاقت ہو بھی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بغیر ہیں شیطان کی دھوکا دہی کا مقام ہے اور چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان اُن کی آواز یا صورت کی نقل کر کے خلاف شرع کام کا حکم کرے اور یہ بے خبر بیچارہ نہایت اعتقاد اور حد سے زیادہ نیاز کی وجہ سے دل و جان کے ساتھ قبول کر کے جو کچھ قرآن اور حدیث میں متواتر طور پر ثابت ہوا ہے اس سے چشم پوشی کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑے اور صورت یا آواز کی نقل تو صورت یا آواز کے پہچاننے والے کیلئے کرنی پڑتی ہے اور جو شخص پہچانتا ہی نہ ہو تو اسے سیدھے راستے سے پھسلانے کے واسطے مراقبات میں حالت بدلنے اور توجہ اور کیفیتوں کے وقت صرف آواز یا دل میں القاہی کافی ہے اور بعض نادان اکثر اوقات کہا کرتے ہیں کہ نوکری یا تجارت کے طور پر معاش کی تلاش میں دور کے سفر کرنے تو جائز ہیں پس دینی مطلب کے حاصل ہونے کے گمان پر ایسے سفر کیوں برے ہیں پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ طریق دینی مطلب کے حاصل ہونے کا راستہ نہیں ہے بلکہ یہ راستہ ڈاکوؤں اور چوروں کی دست اندازی سے ایمان کے مایہ کے برباد ہونے اور کب سعادت کے اصل سرمایہ کے ضائع ہو جانے کا مقام ہے۔ اور قبروں پر چراغوں کا روشن کرنا بھی جسے روشنی کہتے ہیں انہیں بدعات میں سے ہے یہ کام بیشک حرام ہے اور صحیح حدیث میں اس کام پر صریح لعنت وارد ہوئی ہے اور یہی لوگ ہیں جو معاذاللہ اس کو لیلۃ القدر اور شب برات کے انوار کے ظہور کیوقت کی طرح قبولیت کی ساعت جان کر اس وقت میں

دعا کرنے کے منتظر رہتے ہیں اور چراغوں کے روشن ہو جانے کے ساتھ ہی دعا کرنے کو ضروری مقصودوں سے جانتے ہیں حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ چور اور زانی کا ایمان چوری اور زنا کرنے کے وقت جدا ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ تر دعا کرنے کیوقت ان لوگوں کا ایمان برباد ہو جاتا ہے بلکہ اگر جہالت اور نادانی کا عذر نہ ہوتا تو صاف کافر ہو جاتے ہیں اور جو شخص جاہل نہیں وہ تو ضرور کافر ہو جاتا ہے کیونکہ شرعی حرام کو اس نے عمدہ عبادات سمجھا حالانکہ صرف حرام کو حلال جاننا کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ اسکو عبادت جانے۔

چھٹا افادہ - اولیاء اللہ کی نذر و نیاز کا اس طور پیدا کرنا کہ شرک خفی اور اسراف اور کئی طرح کی بدعتیں اس میں پیدا ہو جائیں صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات میں سے ہے جو اہل اسلام کے خاص و عام میں بلکہ اکثروں میں نہایت درجہ کی مشہور ہو چکی ہیں اس کا بیان یہ ہے کہ اس امر کی اصل اگرچہ بہت عمدہ اور حکم شرع کے موافق ہے لیکن جب عوام نے اپنے ظنون اور وہموں کو اس میں دخل دیا اور ان کی اولاد اپنے سلف کے تابع ہو گئی اور ان امور کی تجدید اور تحدید کی - اور ہر کہ آمد براں مزید کردہ ان بے قاعدے کو دستور العمل ٹھیرا دیا تو وہ پسندیدہ اصل تو پوشیدہ ہو گیا - اور وہ خبیث اور ناپاک فروع جو لوگوں کے تماشی خراش سے پیدا ہوئی تھیں ظاہر اور رائج ہو گئیں اور وہ فروع اپنی خباثت میں متفاوت ہیں اور ان سب سے ادنی رسم اور عادت کی تقلید اور یہاں تک اس امر کا التزام کرتا ہے کہ اس کا چھوڑنا محال ہو چکا ہے اور ان امور میں جو چیز لازم نہیں اس کو لازم جاننا شیطانی چھیڑ اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے بعید ہے نماز کے بعد داہنے طرف سے پھرنے کا التزام منع ہونا اس بیان کا گواہ ہے - اس لئے کہ جب اس قدر سہل کام کا التزام کہ نماز سے فارغ ہو کر داہنی ہی طرف سے پھرنا چاہیئے شیطان کا حصہ ہو گیا تو دوسرے عمدہ کاموں اور ان کے التزام کی تعبیر نصیب شیطان سے بری کرنی چاہیئے اور ان سب سے اعلیٰ شرک ہے جو کہ مثلاً حضرت سیدا حمد کبیر قدس اللہ سرہ کی گائے کے ذبح کرنے کے وقت ان دنوں اس ملک کے عوام سے دیکھی جاتی ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ زندوں کی عبادت کا ثواب بیشک دو سبیل سے مردوں کو پہنچتا ہے۔

پہلی سبیل جو کہ عمدہ اور بہتر ہے یہ ہیکہ مردے اور زندے کے درمیان ایسا علاقہ ہو
کہ اس علاقے کی وجہ سے زندے کی عبادت میں میت کا دخل ثابت ہو مثلاً باپ بیٹا ہونے
کا علاقہ خواہ یہ ابوت اور بنوّت ولادت کی وجہ سے ہو یا تعلیم اور ارشاد کی وجہ سے جو شخص
کہ عبادت کرتا ہے اس کے ہر قسم کے آباء کو جس قدر کہ انہوں نے اس کی ظاہری اور باطنی
ترتیب میں کوشش کی ہے ثواب پہنچتا ہے۔ پس مسلمان آدمی نیک کام میں جس قدر کوشش
کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خالص نیت کرتا ہے اللہ جل شانہ کا حق جو کہ سب
حقوں سے بڑھکر ہے، اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق اور سارے استادوں اور
مرشدوں اور گذرے ہوئے مومن باپ دادوں اور گذری ہوئی مومن ماؤں کا حق اس
کے ذمّے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں بندگی کے انہی نیک عملوں
سے محض اس کے فضل اور انعام کے باعث پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت
اور تبعیت اور باقی اہل حق کے سامنے رشد اور سعادت مندی روشن اور ظاہر ہو جاتی ہے
اور یہ ایک ایسا دقیقہ ہے جو احکام شریعت کے واقفوں پر ظاہر ہے اور ان سے کے
ناواقفوں سے پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے اور اسی واسطے جو کہ رواجی طور پر فاتحہ اور ایصالِ ثواب
نہ کرے۔ بے خبر لوگ اس کو نالائق اور اہل حقوق کے حق کا منکر جانتے ہیں اور یہ نہیں
جانتے کہ اگر فاتحہ اور ایصال ثواب کی ان رائج رسموں کے چھوڑنے سے آدمی ناخلف اور
اہل حقوق کے حق کا منکر بن جاتا تو لازم آتا کہ اہل بیت عظام اور صحابہ کرام اور مومنوں
اور صالحوں اور عالموں کے وہ طبقے جو ان رسوم کی شہرت سے پہلے گذر چکے ہیں معاذ اللہ
اپنے اسلاف کی بہ نسبت ناخلف ہوں بلکہ امام الانبیاء خلیل خالق الارض والسماء حضرت ابراہیم
کی بہ نسبت حضرت افضل المرسلین محبوب رب العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے شان میں یہی حرف دل میں کھٹکتا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک ثم معاذ اللہ من ذالک۔
پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فاتحہ خوانی کی یہ رسمیں دین متین کے لوازم اور ارکان سے
زائد ہیں۔ اور ایمان کا کمال ان پر موقوف نہیں اور اگرچہ یہ معنی اجمالی طور پر سب لوگوں کے
مرکوز خاطر ہے۔ لیکن بہت دفعہ اتفاق پڑتا ہے کہ کسی کامل نیکوکار سے اس رسم کے ترک

ہو جانے سے عادت کے پردے کی کثافت کے باعث وہ اجمالی اذعان مستعد ہو کر اس کامل صالح کے حق میں بدظنی کا سبب بن جائے۔ اس واسطے اس حقیقت کو مفصلاً دل میں جانشین کر کے ان رسموں کے تارک کو سلف صالح کے ساتھ مشابہ اعتقاد کرنا چاہیئے۔

دوسری سبیل یہ ہے کہ زندہ ایسا کام کرے کہ مردے کو نفع پہنچانا اس سے مقصود ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں زیادہ ظاہر اور مشہور طریقہ دعا ہی ہے اسمیں سے ایک صورت یعنی نماز جنازہ تو واجب ہے اور اس کی دوسری صورتیں یعنی پانچوں نمازوں کے اوقات اور ان کے سوا اور وقتوں میں عام یا خاص طور پر دور یا نزدیک سے اس کا وقوع ہو تو بیشک یہ مسنون اور مستحب ہے اور حدیثوں میں مشہور رہے اور ان حدیثوں کا بیان کرنا تطویل کا باعث جان کر ان کو معلوم کرنا حدیث کی کتابوں کے حوالہ کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی ایک کار آمد دقیقہ سن لینا چاہیئے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے مرتبے میں اور ان میں افراط[ع] تفریط ہو جایا کرتی ہے اگرچہ اس افراط و تفریط میں کچھ قباحت نہیں لیکن ان دونوں سے اعتدال بہرحال افضل ہے پس اگر اموات کے حق میں قبروں کے روبرو یا ان سے غیبت کے وقت میں جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوئی ہیں .... اگر اسی طرح کیجائیں تو وہ دوسرے طریقوں سے بہتر ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب برات میں کسی کو اطلاع دینے اور جتلانے کے بغیر بقیع میں تشریف لے جاتے اور دعا کرتے اور صحابہ میں سے کسی کو امر نہ فرماتے کہ اس رات قبروں پر جاکر دعا کرنی چاہیئے۔ چہ جائیکہ آپ نے تاکید کی ہو۔ پس اگر اب کوئی شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برات کو صلحاء کا جمع کر کے کسی مقبرہ میں بہت ساری دعائیں کرے تو آنجناب کی مخالفت کے باعث اسے ملامت نہیں کر سکتے لیکن اس قدر سمجھنا چاہیئے کہ یہ امر ہوتے ہوتے رسم بنجائیگا اور اس وقت میں حقیقت کا رباقی نہ رہے گی اور اس بیان کے لئے واضح کرنے والی مثال یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ نوافل کی جماعت مکروہ نہیں اور اگر تداعی سے ہو تو مکروہ ہے لیکن دعا کے سوا اور صورتیں پس ان میں سے ایک تو کنواں کھودنا مردی لہ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی

ع افراط زیادتی تفریط کمی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری والدہ اچانک فوت ہو گئی ہے اور بول نہیں سکی اگر بول سکتی تو کچھ وصیت کرتی۔ پس اب اگر میں اس کے واسطے کچھ کر دوں تو اس کو نفع پہنچے گا آپ نے جواب دیا کہ کنواں کھود دو اور کہو یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے دوم جمعہ کے دن والدین کی قبر پہ جا کر سورۂ یسین کا پڑھنا وارد ہوا ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد غلام آزاد کئے اور باقی عبادتوں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئیے پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو اس کا ثواب کسی فوت شدہ کے روح کو پہنچائے اور جناب الٰہی میں دعا کرنا اس کے پہنچانے کا طریق ہے اور یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کے روح کو ثواب پہنچایا جاوے اگر اسکے حقداروں میں سے ہے اس کے حق کے برابر ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہو گی پس امور مروجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک و شبہ نہیں اور وقتوں اور طعام کی قسموں اور اسکی وضعوں اور کھانیوالوں کی تعیین قباحت سے خالی نہیں ہاں بفحوائے ظلمات[1] بعضها فوق بعض قباحت کے مرتبوں میں تفاوت بہت ہے صرف تعیین ہی التزام مالایلزم کی قسم سے ہے جسکا حال شرح کے ساتھ بیان ہو چکا ہے اور وقت کی تعیین کی وجہ سے بہت سے خلل کیا دینی کیا دنیوی پیش آتے ہیں اور خالص نیت باقی نہیں رہتی بلکہ اکثر اوقات میں تو مطلقاً عبادت کی نیت بھی نہیں ہوتی صرف دنیاوی نام و ناموس یا لوگوں کے طعن و تشنیع کے دفع کرنے کیلئے یا ہم چشموں کے سامنے خفت اور عار کے لاحق ہونے کے ڈر سے یہ کام کیا جاتا ہے اور اس سے وہ نام نہاد مدعا ہرگز حاصل نہیں ہوتا اور اگر یہ لوگ عمل صالح سے خالی ہیں تو اپنے اسلاف کا حق ادا کرنے کے لحاظ سے ان لوگوں کا حال اور ان رسموں کے چھوڑنے والے صالح کامل کا حال اس زمانہ میں دہلی اور بخارا کی سلطنت کے مشابہ ہے کہ دہلی سلطنت تو محض ایک رسم ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں اور سلطنت کا معنی اس میں ہرگز باقی نہیں رہا۔ اور رسموں کا وجود تو سراب سے بھی بہت کم ہے اور بخارا کی سلطنت سچ مچ کی سلطنت ہے کہ رسوم سے آلودہ نہیں ہوئی اس مثال اور ممثل لہ کے فرق کو شہ (نعت)

[1] بعض اندھیرے بعض اوپر ہیں یعنی کوئی زیادہ ہے کوئی کم۔

اور عقل کے ترازو سے تول کر اور ان رسموں کے ارتکاب کے وقت میں اپنے دل میں واردات کی بحث کر کے امرِ حق ڈھونڈ کر رسموں کے التزام سے تائب ہونا چاہیئے رَزَقَنَا اللّٰہُ التَّوْبَۃَ وَ جَمِیْعَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ کُلِّ الْمَکْرُوْھَاتِ[1] اور جو آداب کہ طعام فاتحہ کے حاضر ہونے کے وقت بجا لاتے ہیں۔ یہ بھی اپنے فاسد خیالوں کا اتباع ہے کیونکہ اس طعام کی وجہ سے فاتحہ صاحب فاتحہ کے قائم مقام تو نہیں ہوا۔ پس وہ آداب کیوں کرتے چاہئیں کہ صاحب فاتحہ کی بہ نسبت بھی ان کے جائز ہونے میں گفتگو تھی۔ اور وہ طعام ان کے ملک بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر ان کے ملک ہوتا تو فاتحہ کرنے والے اس میں اپنا دخل کیوں کرتے اور اپنی خواہش کے مطابق کیوں کھاتے کھلاتے بلکہ وہ طعام صاحب فاتحہ کے وارثوں کو پہنچاتے حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیاز سادات کو دیتے۔ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی نیاز ان کی اولاد کے حوالہ کرتے وعلیٰ ہذا القیاس اور اگر وہ آداب اس گمان پر کرتے ہیں کہ صاحب فاتحہ کی روح اس طعام میں گھس گئی ہے یا اس طعام کو اس نے ہاتھ لگا دیا ہے یا اس نے اس طعام سے کھایا ہے اور یہ ان کا پس خوردہ بن گیا ہے۔ پس یہ ساری باتیں ان کے فاسد گمان ہیں۔ ان پر ہرگز ان کا یقین نہیں۔ اور اگر بالفرض والتقدیر ان میں سے کوئی چیز معلوم بھی ہوتا ہم آداب طعام میں جو حد چاہیئے اس سے اس طعام نے تجاوز نہیں کیا۔ پس اس طعام کے آداب کا حاصل ہندوؤں کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے کے بغیر اور کچھ نہیں ہے کیونکہ اکثر اوقات وہ دانوں اور غلوں اور طعام کے اجناس کی پرستش کرتے ہیں اور کھانے والوں کے لئے قید لگائی یعنی ایک کو کھانے سے منع کرنے اور دوسرے کو اس کی اجازت دینے سے تحلیل حرام اور تحریم حلال پیدا ہوتی ہے اور اہل جاہلیت کا اتباع لازم آتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مذمت کے مقام میں اسی قسم کے قول ان سے نقل فرمائے ہیں (اول) وَقَالُوْا ھٰذِہٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا یَطْعَمُھَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِھِمْ۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ یہ چارپائے اور کھیتی ممنوع ہے کوئی شخص اس سے نہ کھائے مگر وہ کہ ہم چاہیں اپنے گمانوں سے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَآءُ سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ اِنَّہٗ حَکِیْمٌ عَلِیْمٌ اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان چوپائے کے پیٹ میں ہے وہ

[1] اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مومنوں کو سب ناپسندیدہ کاموں سے توبہ نصیب کرے۔

ہمارے مردوں کے لئے خالص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ مرا ہوا ہو تو
وہ سب اس میں شریک ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بیان کا بدلہ دیگا۔ بیشک وہ
صاحب حکمت اور صاحب علم ہے اور بحیر کے معنی اچھی طرح سمجھ کر جاننا چاہیئے کہ لفظ بحیرہ
سے اس ملک اور اس وقت کے لوگوں کی یہی مراد ہے۔ ہر کھبو کا اور محتاج طعام کا صرف
ہے ہاں پرہیز گار غیر پرہیز گار سے بہتر ہے پس صحنک اور توشہ جو پچھلے لوگوں کے ساختہ
پرداختہ ہیں۔ اور ردی فکروں کے ملجانے سے انہوں نے دور از حق حقیقت پیدا
کرلی ہے اور زمانہ حال۔ کے بزرگ اور اکابر تربیت اور ارشاد کے وقتوں میں ان امور
کی قباحت بالاجمال تو بیان فرماتے ہیں اور ان رسموں کے عین مقابلہ کے وقت میں
تخصیص کے ساتھ ظاہر ان کے بُرا کہنے کو غیر مفید جان کر خاموش ہو جاتے ہیں اُنکے
خاموش رہنے سے دھوکا نہ کھا کر ان کے مٹانے میں کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہ قید
میں ہوتے ہوتے بڑی خرابیوں کا باعث بن گئی ہیں اور جہلا کے خیال میں یہ قیدیں شرعی
قیدوں سے ضروری ہو چکی ہیں اس لئے کہ وہ ان کے التزام کو اسلام اور ایمان کا جزو لازم
کرتے ہیں۔ اور ان کے تارک اور ان کی جڑ کو اکھاڑنے میں کوشش کرنیوالے کو ایمان سے
خارج جانتے ہیں۔ جب رسموں کا التزام اس حد تک پہنچ جائے تو بالکل مطلوب اور مقصود
کے برخلاف ہو کر واجب الترک ہو جاتی ہیں اور حدیث شریف میں جو تاکید سنتوں کو فرض سے
جُدا کرنے کے بارے میں کی جاتی ہے یاد کر کے اس کو عمل میں لانا چاہیئے نذر و نیاز کی رسم
اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ طعام وغیرہ کی نذر سے گزر کر جانوروں کی جانوں کو نیاز کرتے ہیں۔
اور ان کے ذبح کرنے میں غیر خدا جل شانہ کی خوشنودی کا ارادہ کر کے حدیث شریف لَعَنَ
اللّٰہُ مَنْ ذَبَحَ لِغَیْرِ اللّٰہِ کے مطابق ملعون ہوتے ہیں اور بقول اکثر علماء یہ لعنت کفر کی
وجہ سے ہے پس کفر کے کام کو عبادت جاننا کس درجہ کی خرابی ہوگی اور اصل میں بات تو
یوں ہے کہ جو لوگ نذر اور نیاز میں نافرمانیوں اور کفر کا ارتکاب کرتے ہیں ان کو ثواب
پہنچانا منظور نہیں بلکہ وہ تو شرک کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ کام بزرگوں کے لئے کیے
جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا معنی ان کے ذہن میں ہرگز نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے

سلہ یہ یعنی غیر اللہ کے لئے کسی جانور کو ذبح کرے اللہ تعالیٰ اسکو اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔

کہ جو لوگ توشوں اور نیازوں میں بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں اگر ان سے پوچھا جائے
کہ تم نے خدا تعالیٰ کے لئے بھی کبھی کوئی چیز دی ہے تو کہیگا نہیں غرض کہ بعض تو خدا تعالیٰ
اور بزرگوں کو تقرب اور رضا جوئی کے مرتبہ میں مساوی جانتے ہیں اور انہی بعض لوگوں کے
حال کا یہ بیان ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ یعنی بعض آدمی ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنا کر
اللہ کی طرح ان سے پیار کرتے ہیں اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے ہی بڑھ کر محبت رکھتے
ہیں اور بعض تو ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض ان کو مستقل طور پر حاجت روا
سمجھ کر اللہ جل شانہٗ کے دربار میں دعا کرنے سے بے پروا ہو جاتے ہیں۔ پس اس وقت میں
حق اور ثواب کے طالب اور خدا اور رسول کی مرضیات کے تتبع کیلئے یہی چارہ ہے کہ جس
شخص کے روح کو ثواب پہنچانا منظور ہو تو طعام اور اس کے کھانے والوں کی وضع اور جنس
کی تقلید چھوڑ کر جو چیز کہ اس وقت کے فقیروں اور محتاجوں کے حق میں زیادہ مفید ہو خالص
نیت کے ساتھ خرچ کرے اور اگر دعا بھی کرے تو بہتر ہے اور ساری قیدوں اور رسموں
کو یک لخت دور کر دے۔

دوسری ہدایت ان بدعتوں کے بیان میں جو رافضیوں کے میل جول کی وجہ سے عام
لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور اس میں تین افادے ہیں۔

پہلا افادہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دینا رافضیوں کی ان بدعات
میں سے ہے جو عام اہل سنت کے دلوں میں داخل ہو گئی ہیں پس سنت کے متبع اور بدعت
سے متنفر حق کے طالب کو چاہیئے کہ اپنے تہ دل سے اعتقاد کر لے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
کے بعد حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بڑے یار رضی اللہ عنہم اجمعین
تمام بنی آدم سے بہتر ہیں اور اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق ان کے آپس میں ایک دوسرے
پر فضیلت خلافت کی ترتیب کے موافق ہے۔ مسلمان آدمی کو چاہیئے کہ اسی ترتیب پر افضلیت
کا اعتقاد رکھے۔ اور وجوہ تفضیل کو نہ ڈھونڈے۔ کیونکہ وجوہ تفضیل کا ڈھونڈنا دین
کے واجبوں بلکہ مستحبوں سے بھی نہیں خاص کر عام مسلمانوں کے لئے تو اس تلاش کے پیچھے

پڑنا محض بے عقلی اور نادانی ہے۔ لیکن اس زمانہ کے خاص و عام میں اس جھگڑے کے مشہور
ہو جانے اور اس عقیدہ میں اہل زمانہ کی افراط و تفریط کے باعث لکھا جاتا ہے۔ کہ خلافت
سے قطع نظر حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو دربار خداوندی میں بے حساب عزت اور نہایت
لطیف قرب ہے اور خلافت میں سبقت اس کے علاوہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے
خلافت سے قطع نظر اس قدر مرتبہ اور قرب نہیں ہے کہ حضرت مرتضی علی رضی اللہ عنہ پر مقدم
ہوں بلکہ وجاہت اور قرب کے لحاظ سے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
پر مقدم ہیں۔ لیکن خلافت راشدہ نبویہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدم ہونا اس وجہ
سے ہوا ہے کہ صاحبان مناصب اور مراتب کی بھیڑ اور اللہ تعالی کی عنایات کے ظاہر ہونیکے
وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہوں۔ گو ان کا مرتبہ اور قرب
زیادہ تھا اس کی یہ مثال ہے کہ خلعتیں دینے کے وقت صاحب منصب متقدم کو صاحب منصب
متاخر سے پہلے خلعت پہنائیں۔ اگرچہ صاحب منصب متاخر کا قرب وارتضا اور وجاہت زیادہ
ہو اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت
ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمان برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت اور
غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لیکر دنیا کے ختم ہونے تک
آپ ہی کی وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں
آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں اور اللہ تعالی کا یہ عطیہ اس
امر کے مقابلے میں ہے کہ خلافت اور حکومت اور بادشاہت کا انتظام آپ کی آل اطہار میں
کبھی نہیں ہوا باوجودیکہ ان میں سے بعض بزرگوں نے أَعْلَى اللهُ دَرَجَاتِهِمْ فِي الْعِلِّيِّينَ
اس کام میں بہت ساری کوششیں کی ہیں اور اس کام کے حاصل کرنے میں سب تکلیفیں اپنے آپ پر
اٹھائی ہیں۔ اور اہل ولایت کے اکثر سلسلے بھی جناب مرتضی ہی کی طرف منسوب ہیں پس قیامت
کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عظمت و توقیر
والے ہوں گے۔ حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کا لشکر اس رونق اور بزرگی سے دکھائی دیگا کہ اس
مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہوگا اور بعض متصوفین

میں ہے پس طالب حق کو اس باطل امر کے ابطال میں پوری سعی کرنا ضروری ہے اور اسکے دور کرنے
میں نہایت کوشش کرے جبر اور زور کے ساتھ اس کے توڑنے کو ہرگز مگروہ نہ جانے بلکہ بت شکنی
کی طرح اس کو ثواب اور اجر کا موجب سمجھے اور اس لحاظ سے کہ بدعتی جاہلوں نے حضرات حسنین
رضی اللہ عنہما کی قبر کا نام رکھا ہوا ہے مطلقاً اس کے توڑنے اور پامال کرنے سے نہ ڈرے
کیونکہ ان افعال کے دور کرنے اور ان کے فاعلوں کی اہانت کرنے میں اللہ تبارک وتعالیٰ
اور اس کے برگزیدہ لوگوں کی رضامندی ہے اور اگر ہاتھ سے دور نہ کر سکے تو زبان سے
کہے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے بُرا جانے۔ اور یہ درجہ ایمان کے درجوں میں سے
بہت ادنیٰ درجہ ہے ہاں اگر مقابلہ کے سوا تعزیوں کو پائے اور ان پر قادر ہو جائے
تو بلا اہانت ان کو نابود اور بے نشان کر دے لیکن مقابلہ میں ان کے توڑنے کا ارادہ کرے
اور اگر تعزیہ والوں کے مقابلہ اور مزاحمت سے پیش آنے کے وقت کوئی اہانت آمیز حرکت
صادر ہو جائے اور اس کے سوا اس بُری بدعت کا ابطال نہ ہو سکے تو اس حرکت کی پروا
نہ کرے بلکہ اس کے معدوم کرنے پر قدم بڑھائے لیکن حدیث شریف میں جو وارد ہوا ہے کہ
فتح مکہ کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر کو دفن
کر دیا اور باقی بتوں کی طرح اس کو اہانت کے ساتھ نہ توڑا سو اس کا باعث یہ ہے کہ ان دنوں میں
عرب کے جہال کو الفت دینا امور ضروریہ میں سے تھا اور وہ جہالت کے زمانہ کے قریب ہونے کی
وجہ سے جہالت اور نادانی کے ورطہ میں غرق تھے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہانت ان نادانوں
کی بدگمانی کا موجب تھی کہ وہ اس بت کی اہانت کو حضرت خلیل کے مذہب پر مخالفت پر حمل کر کے
اس نبی وقت کی دعوت سے جو آپ کی متابعت کے متعلق تھے، متنفر ہو جاتے اور تعزیہ کا امر تو اس
سے بالکل برخلاف ہے کیونکہ وہ زمانہ تو جہالت کے زمانہ سے قریب تھا اور یہ زمانہ علوم حقہ کے
تواتر اور ہدایت کی شہرت کا زمانہ ہے دوسری صورت شیون کی رسمیں ہیں اور وہ پیٹنا اور کپڑا
کا پھاڑنا اور بین کرنا اور انہی جیسی اور رسمیں مطلقاً حرام ہیں کسی کے مرجانے پر ایسے کام جائز نہیں
تیسری صورت ایام مذکورہ میں سوگ کی رسمیں ہیں ان کی اصلیت تو یہی کچھ ہے کہ کسی شخص کے
مرجانے کی وجہ سے غم اور اندوہ ظاہر کرنے کے لئے مباح امر کو چھوڑ دیا جائے اکثر اوقات

بیہودہ رسموں کو چھوڑ دیں۔ تو ان کی معاش اور معاد کی کس قدر اصلاح کا باعث ہو اور اللہ عزوجل کی رضامندی اور خوشنودی ان کو نصیب ہو۔ پس راہ خدا کے طالب کو لازم ہے کہ ان رسموں سے بیزار ہو کر ان کے برہم کرنے اور اپنے گھر اور خاندان اور قبیلہ دار محلہ اور شہر اور ملک سے ان کی موقوف کرنے میں حتی المقدور کوشش کرے اگر یہ صحیح نیت سے کیا تو اُسے اس تاجر اور ثواب ملیگا اور اس بات سے نہ ڈرے کہ میری سعی کی قدر نہ ہو گی یا میرے خویش اور اقربا میری متابعت نہ کریں گے ایسے فاسد گمانوں سے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کام کی پیروی کرنے میں قصور کرنا محض قبیح ہے جب کام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو اور کسی کا فکر کیا ڈر ہاں ان رسموں کے توڑنے میں جو طریق کہ دوسروں کی پیروی کا باعث ہو اور شریعت کے ساتھ مخالفت بھی نہ رکھتا ہو اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اس کی کوشش اس حدیث خیر الھدی ما اُتبع[1] کے مضمون کے موافق ہو اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ فوت شدہ لوگونکو طعام سے فائدہ پہنچانا اور ان کی فاتحہ خوانی ٹھیک نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ کام تو بہت بہتر اور افضل ہے۔ ہماری غرض صرف یہ ہیکہ رسم کا پابند نہ ہونا چاہیئے تاریخ اور دن اور طعام کی جنس اور قسم کی تعین کے بغیر جس وقت اور جس قدر کہ موجب ثواب ہو بجالائے اور جب میت کو کچھ نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے کھانے کھلانے پر ہی موقوف نہ سمجھنا چاہیئے اگر ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص کا ثواب بہت بہتر ہے اور تاریخ اور دن اور طعام کی قسم اور وضع کے مقرر کرنے میں تنگی پیش آتی ہے اور اس بات کا اہتمام تضیع اوقات کا باعث ہوتا ہے اور دوسرے ضروری کام موقوف رہ جاتے ہیں اور اپنا اور بیگانہ تاریخ اور دن کا منتظر رہتا ہے اور خویش و اقربا جمع ہو جاتے ہیں اور خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی آدمی کو ضرور انتظام کرنا پڑتا ہے۔ پس میت کے حق میں تجہیز و تکفین اور دفن کے بعد دعا اور تعزیت کے سوا اور کسی رسم کا التزام نہ کرنا چاہیئے اور اسی طرح نکاح میں ولیمہ کے سوا جو سنت موکدہ ہے۔ اور سب رسمونکو چھوڑ دینا چاہیئے اس مقام میں خلاصہ کلام یہ ہیکہ تمام اخلاق میں حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلق پیشوا اور محبوب مان کر اور دل و جان سے اس پر راضی ہو کر ہند اور سندھ اور فارس اور روم کی ان تمام رسموں کو جو آپ کے

[1] بہتر ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔

کے برخلاف ہوں یا صحابہ کرام کے طریقہ پران سے زیادتی لازم آئے ترک کر دے اور ان پر کراہت ظاہر کرے اور اگر بیٹیوں کے بارمی لینے یا اسی جیسی زمانہ جاہلیت کی وہ رسمیں مروج ہو جائیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ نابود ہو گئی تھیں اور ان کے ابطال میں آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت ساری تاکیدیں منقول ہیں، تو ان کے ابطال میں پوری کوشش کرے۔

پہلا افادہ۔ بیوہ عورتوں کو دوسرے نکاح سے منع کرنا انہی بد رسموں سے ہے جو ہندوؤں کے اختلاط سے ہندوستان کے مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں اور یہ خراب رسم یہاں تک مروج ہو گئی ہے کہ (لوگ) اس جائز بلکہ مستحب امر کو محرمات شرعیہ سے زیادہ برا جانتے ہیں پس اس کے دور کرنے میں پوری کوشش کرے اور اگر اس کے خویشوں میں یہ صورت پیدا ہو جائے تو خواہ مخواہ دوسرا نکاح کرا دے اور اگر اس کے اتباع سے قصور کریں تو اللہ کیلئے ان سے ملاقات اور برادری ترک کر دے کیونکہ غالباً بلکہ یقیناً اس کام کے عیب سمجھنے کی وجہ ہندوؤں کی رسم کا التزام ہے ورنہ اور کوئی مطلب معلوم نہیں ہوتا اگر اس رسم کے توڑنے سے اپنے بزرگوں اور بڑوں کی رسم کا چھوڑنا لازم آتا ہے تو ہرگز پروانہ کرے اور اللہ جل شانہ کی جانب کو تمام اہل حقوق کی جانب سے مقدم جانے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قطع تعلق کو مدنظر رکھے۔

دوسرا افادہ۔ اپنے باپ دادا کی بزرگیوں پر فخر کرنا اور انکی شفاعت پر بھروسہ کرنا رسوم جاہلیت کا وہ بقیہ ہے۔ راہ امت مرحومہ میں نہایت درجہ کی پھیلی ہوئی ہیں اور سادات اور پیرزادوں جیسے بلند خاندانوں والے اس میں گرفتار ہیں اور اسی افتخار میں اعتماد کی وجہ سے اہل اسلام کے شعار یعنی تواضع اور عاجزی اور اہل ایمان کی بڑی بزرگی یعنی پرہیزگاری اور نیکوکاری کو بالکل فراموش کر کے ان کی بجائے تکبر اور اکڑبازی اور بدعتوں کا اظہار اور ناجائز امور کا ارتکاب حاصل کر کے کلام اللہ اور کلام رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا انہوں نے آیت کریمہ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ اور

؎ اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کے سوا جس کے لئے اس نے اذن دیا ہے کسی کی سفارش سے کچھ فائدہ نہیں پہنچیگا

آیت کریمہ لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا[1] اور آیت فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ[2] اور آیت یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ[3] اور آیت تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَھَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَّا کَسَبْتُمْ[4] اور حدیث اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ عُبِّیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَ فَخْرَھَا بِالْاٰبَآءِ اِنَّمَا ھُوَ مُؤْمِنٌ تَقِیٌّ اَوْ فَاجِرٌ شَقِیٌّ اَلنَّاسُ کُلُّھُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ[5] اور انہی جیسی اور آیات اور احادیث کو کبھی ہوش کے کانوں سے نہیں سُنا ور محض اپنے وہموں اور ظنوں اور اپنے جیسے لوگوں کے باطل مسلمات پر اعتماد کر کے اپنی جان کو ہلاکت کے بھنور میں ڈالدیا ہے۔ سبحان اللہ یہ کیسی نادانی اور حماقت ہے کہ یہ لوگ نجات کے یقینی اور قطعی اسباب کو چھوڑ کر وہمی اور ظنی اسباب پر اعتماد کر بیٹھے ہیں اور ان نادانوں کی جہالت کا حال اس کے مشابہ ہے کہ ایک شخص بہت سارے مال جو اپنے قبضہ میں رکھتا تھا اور اسے یقینی طور پر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی امید تھی پھر کیمیا کے موہومی حیلوں کے حاصل کرنے میں سارے کا سارا برباد کر دیا القصہ اگر یہ نسبی علاقہ آخرت میں نافع ہے تو نہایت ہی ظاہر ہے کہ اس سے غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے اس نفع میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ نسبی علاقہ اختیاری افعال سے نہیں کہ غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے ٹوٹ جائے پس جب غافل آدمی کو قیامت کے دن نسبی علاقہ سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔ تو اس کو غیر مترقبہ نعمت کے حاصل ہونے کے باعث دوگنی خوشی حاصل ہوگی اور اگر قیامت میں یہ علاقہ کارآمد نہیں ہے اور اس شخص نے اپنی تمام عمر اسی کے نفع کی امید پر گذاردی ہے تو اپنے جہل مرکب سے نہایت پشیمانی اور ندامت

---

[1] کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئے گا [2] جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو لوگوں میں نسب کا کچھ لحاظ نہ ہوگا۔

[3] اے لوگو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے تم کو پیدا کیا اور تمہاری گوتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو بیشک تمہارا بڑا پرہیزگار اللہ کے ہاں زیادہ باعزت ہے [4] وہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی ہے ان کے اعمال کا فائدہ انہی کو پہنچیگا اور تمہارے اعمال کا تم کو [5] بیشک اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کا فخر اور باپ دادا کے ساتھ فخر کرنا دور کر دیا ہے آدمی مومن پرہیزگار ہے یا فاجر بدبخت ہے سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی کے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی ✿ ازو غائب مشو حافظ

تیسری تمہید۔ اعمال میں ان چاروں مذہبوں کی متابعت وجو تمام اہل اسلام میں مروج ہیں، بہت عمدہ ہے لیکن پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک شخص کے علم میں منحصر نہ جاننا چاہیئے بلکہ آپ کا علم تمام جہاں میں پھیلا ہوا ہے اور مقتضائے وقت کے موافق ہر کسی کو پہنچا ہے اور جس وقت سے کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان علموں کی جمعیت ظاہر ہوگئی ہے۔ پس جس مسئلہ میں کہ صحیح صریح غیر منسوخ حدیث ملجائے اس میں کسی مجتہد کی متابعت نہ کرے اور اہل حدیث کو اپنا پیشوا جان کر دل سے ان کی محبت کرے اور ان کی تعظیم کو اپنے ذمے لازم سمجھے کیونکہ وہ بزرگوار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کے اٹھانے والے ہیں ایک طرح سے آپ کی مصاحبت کرکے آپ کے مقبول ہو گئے ہیں اور مقلد لوگ تو مجتہدوں کی تعظیم اور توقیر سے پورے واقف ہیں وہ اس بات کی آگاہی کے محتاج نہیں۔

پہلا افادہ۔ جو شخص امرا میں اور حکام میں سے اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ راہ سلوک میں قدم رکھے تو ان امور شرعیہ کے اہتمام کے ساتھ جو سالکان طریقت کو چاہیئے عدالت اور انصاف کا اہتمام بھی ان کے واسطے ضروری ہے کیونکہ ان کے حق میں عدالت سب عبادتوں سے بہتر ہے عدالت میں گذشتہ بادشاہوں کے طریق کی رعایت نہ کرے بلکہ عدالت اور سیاست میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرے اور شیخین یعنی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اس کے واسطے کافی ہے اور خلفا، اور بادشاہوں میں فرق یہی ہے کہ بادشاہ تو دنیا کی اصلاح کو مقدم رکھتے ہیں اور آخرت کی کچھ پروا اور اس کا کچھ اہتمام نہیں کرتے۔ اور خلفا راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین دنیاوی کمال انتظام کے باوجود دین کو جانے نہیں دیتے اور اس کی اصلاح اور ان یاد کو مقدم اور ضروری جانتے ہیں۔ اور بادشاہ اور امیر ظاہری شان وشوکت اور مکان اور پوشاک اور سواری میں اپنی عزت گمان کرتے ہیں جس قدر کہ وہ دینداری میں پکے رہے ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان کی عزت اور شوکت اور رعب ان کے دشمنوں میں زیادہ ہوتا ہے۔

دوسرا افادہ۔ ہر مسلمان کو دو چیزوں سے پرہیز کرنا لازم ہے اول تکبر یعنی اس سے کہ

برے خاتمہ کے ساتھ دنیا سے جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور مغفرت سے ناامید ہو جاتا ہے اور ظلم سے بھی پرہیز کرنا لازم ہے کیونکہ دراصل ظلم کا منشا یا تکبر ہے یا افساد پس ظلم میں یا تو تکبر کی شاخ ہوگی یا افساد کی اور تکبر اور افساد سے احتراز کرنا اسی وقت پورا ہوگا کہ ظلم سے پرہیز کرے حدیث شریف میں ہے اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّدَقَةِ وَالصَّلٰوةِ قَالُوْا بَلٰى قَالَ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَاِفْسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ الْحَالِقَةُ۔

تیسرا افادہ مسلمانوں کو اپنے دل کی تسلی اور مصیبتوں میں توکل اور اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں میں سے ہر نعمت خاص کر اس نعمت کے لیے جو بمقتضائے اِنَّ لِلّٰهِ فِيْ اَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَهَا خوشبو کے طور پر ہواؤں کے جھونکوں میں چلتی ہے اور ان عالی دماغ لوگوں کے دماغوں کے سوا جو "خاص الٰہی رحمت کے مہبط ہو گئے ہیں،، نہیں پہنچتی اس بے مثال قادر کی قدرت کی قدر جس طرح کہ چاہیئے اپنے دل میں نقش کرنی ضروری ہے کیونکہ اسی نقش کے اہمال نے ہی ایک جماعت کو جو اہل کتاب کے نام سے موسوم تھی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ کے داغ سے داغدار کر دیا اور ایک بد انجام گروہ کے حال کی برائی کے بیان میں، جو مشرکین کے نام سے تمام مخلوق میں بدنام ہے نشان وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ جو کہ سخت انتقام کی علامت ہے،، بلند کیا۔ پس جاننا چاہیئے کہ اس کی کامل قدرت کا پہچاننا ایمان کا لازمہ ہے۔ ہر ایماندار جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے لیکن یہ معرفت اس کی سمجھنے والی طاقتوں پر محیط اور اس کے دل میں جاگیر نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب

---

[1] کیا میں تم کو روزے اور صدقے اور نماز کے درجے سے افضل چیز نہ بتاؤں۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ کیوں نے آپ نے فرمایا وہ آپس کی بگاڑ کی اصلاح ہے اور آپس میں جھوٹ ٹالنا ہی مونڈنے والی چیز ہے ۱۲ منہ

[2] بیشک تمہارے زمانے کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشبوئیں ہیں خبردار پس ان کا تعرض پکڑو [3] اور نہ قدر کی اللہ کی حق قدر اس کی کا جس وقت کہا انہوں نے نہیں اتارا اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کچھ [4] اور جس طرح کہ چاہیئے تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں پہچانی اور قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوں گے جس چیز کو وہ اسے شریک بناتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور بلند ہے۔

بی کوئی خلل واقع ہوتا ہے اور نہ قرآن میں تشابہ واقع ہوتا ہے یہ شیطان کا مکر ہے اور رکعتوں اور
تسبیحوں اور متشابہات کا یاد دلانا تو اس کا مقصود نہیں بلکہ نمازی کو اس کے اعلیٰ مرتبہ سے ادنیٰ کی
طرف اتارنا مقصود ہوتا ہے یہاں تک کہ کشاں کشاں اپنے اصلی مقصود تک جا پہنچاتا ہے اور اس مردود
کا اصلی مقصود یہی انکار اور کفر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کا وہ مقصود پورا نہ ہو تو لاچار
ہو کر بمقتضائے اِذَا فَاتَکَ اللَّحْمُ فَاشْرَبِ الْمَرَقَۃَ آہستہ آہستہ گاؤخر کے خیال کی طرف لے جاتا
ہے حتی کہ یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے ع برزباں تسبیح و در دل گاؤ خر۔ گاؤخر تو ایک مثال ہے
حضور خدا تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہو خواہ گاؤ ہو خواہ گدھا ہاتھی ہو یا اونٹ سب کا یہی حکم ہے طالبعلم
یہ نہ سمجھیں کہ صیغوں اور ترکیبوں میں ہماری سوچ بچار اس قبیل سے نہیں افسوس بلکہ یہ
تو گاؤخر کے خیال سے بھی نماز کا زیادہ مخل ہے اور دانشمند لوگ یہ نہ سمجھیں کہ قرآن میں سے غریب
مسائل کے استخراج کا فکر نماز کی تکمیل ہے بلکہ یہ اس کا ناقص کرنا ہے اور اہل مکاشفات یہ خیال
نہ کریں کہ نماز میں شیخ کے تصور یا ارواح اور فرشتوں کی ملاقات کی طرف توجہ کرنا بھی اسی نماز کا
حاصل کرتا ہے جو مومنوں کیلئے معراج ہے نہیں ہرگز نہیں نماز میں یہ توجہ بھی شرک کی ایک شاخ
ہے خواہ وہ خفی ہو یا اخفی یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ غریب مسائل کا سمجھ میں آجانا اور ارواح و فرشتوں کا
کشف نماز میں برا ہے بلکہ اس کام کا ارادہ کرنا اور اپنی ہمت کو اسی کی طرف متوجہ کر دینا اور نیت
میں اسی مدعا کا ملا دینا مخلص لوگوں کے خلوص کے مخالف ہے اور خود بخود مسائل کا دل میں آجانا۔ اور
ارواح اور فرشتوں کا کشف ان فاخرہ خلعتوں میں سے ہے جو حضور حق میں مستغرق با اخلاص لوگوں کو
نہایت مہربانیوں کی وجہ سے عطا ہوا کرتے ہیں۔ پس یہ ان کے حق میں ایک ایسا کمال ہے کہ مثال کے
طور پر مجسم ہو گیا ہے اور ان کی نماز ایسی عبادت ہے کہ اس کا ثمرہ آنکھوں کے سامنے آگیا ہے
ہاں حاجتوں کی وہ دعائیں جو با کمال نمازی سے مطلق بے نمازی کی ذات میں حاجت روائی کے منحصر ہونے
کے اعتقاد کے باعث عین نماز میں صادر ہوتی ہیں اسی قبیل سے ہیں یعنی نماز کے لئے کمال ہے گو وہ
قبیل حاجتیں معاشی ہی کے متعلق ہوں اور اپنی حاجتوں کے بارہ میں نفس کے ساتھ مشورے کرنا
یہی وسوسوں اور نماز کے نقصان میں سے ہے اور جو کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نماز
میں سامان لشکر کی تدبیر کیا کرتے تھے سو اس تصہ سے مغرور ہو کر اپنی نماز کو تباہ نہ کرنا چاہیئے ع

[illegible] جب گوشت [illegible] [illegible] یاد کی پی لو۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

حضرت خضر علیہ السلام کے لئے تو کشتی کے توڑنے اور بے گناہ بچے کے مار ڈالنے میں بڑا ثواب تھا اور دوسروں کے لئے نہایت درجہ کا گناہ ہے جناب فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ درجہ تھا کہ لشکر کی تیاری آپ کی نماز میں خلل انداز نہ ہوتی تھی بلکہ وہ بھی نماز کے کامل کرنے والوں میں سے ہو جاتی تھی اس لئے کہ وہ تدبیر اللہ جل شانہ کے الہامات میں سے آپ کے دل میں ڈالی جاتی تھی اور جو شخص خود کسی امر کی تدبیر کی طرف متوجہ ہو خواہ وہ امر دینی ہو یا دنیاوی بالکل اس کے برخلاف ہے اور جس شخص پر یہ مقام کھل جاتا ہے وہ جانتا ہے ہاں بمقتضائے ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ زنا کے وسوسے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں۔ اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔ کیونکہ شیخ کا خیال تو تعظیم اور بزرگی کے ساتھ انسان کے دل میں چمٹ جاتا ہے اور بیل اور گدھے کے خیال کو نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور نہ تعظیم بلکہ حقیر اور ذلیل ہوتا ہے اور غیر کی یہ تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے حاصل کلام اس جگہ وسوسوں کے مرتبوں کے تفاوت کا بیان کرنا مقصود ہے انسان کو چاہیئے کہ آگاہی حاصل کر کے کسی مانع کے ساتھ اللہ عزوجل کے حضور سے نہ رکے اور پیچھے نہ ہٹے اور اس موقعہ پر اس خلل کا علاج اس طرح سے بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر کس و ناکس اس کو سمجھ سکے۔ پس اگر وسوسہ بدترین وساوس سے ہو تو نہایت ہی التجا کے ساتھ دعا کرے اگرچہ ساری چیزوں کے حاصل ہونے کا مدار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہے لیکن بعض چیزوں میں ظاہری اسباب کو کسی قدر مداخلت ہوتی ہے اور ان وسوسوں کا دفع کرنا تو بالکل اسی کے فضل پر منحصر ہے ظاہری اسباب کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اپنے پیر کی خدمت میں بھی عرض کرے کیونکہ پیر اس کام میں اس سے زیادہ باخبر ہے شاید کوئی عمدہ تدبیر بتلا دے اور دعا کرے اور شیطان یا نفس کی طرف سے اس وسوسے کے علاوہ کوئی اور وسوسہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ مثلاً اگر وہ وسوسہ ظہر کی نماز میں پیش آیا ہے تو فرض اور سنتوں سے فارغ ہو کر تنہائی اور خلوت میں وسوسے کو دل سے بالکل نکال کر سولہ رکعتیں نماز پڑھے اور یہ جب ہے کہ ساری رکعتوں میں خیالات

لہ یعنی اندھیرے ہیں جو درجے میں بعض سے بعض اوپر ہیں۔

رہے یا کوئی چیز تھی جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی بلکہ جانتے ہیں کہ مالک حقیقی نے اپنے خاص ملک میں تصرف کیا ہے ہمارا ان کاموں کے ساتھ کسی طرح کا کچھ علاقہ نہیں بلکہ ان اعمال کا ہمارے ہاتھ سے صادر ہونا اس چیز کی مثل ہے جیسے اس کا مالک ایک صندوق میں جو محض اس کا مملوک ہے رکھدے پس اس صندوق کو اس چیز سے ہرگز کسی طرح کا تعلق نہیں مثلاً اگر مالک اس چیز کو بالکل برباد کردے تو صندوق ہرگز اعتراض کی مجال نہیں بلکہ بعضے ان بزرگواروں کو ایسا مقام عطا فرماتے ہیں کہ اس مقام میں قیام کرنے کے لوازمات سے یہ بات ہے کہ اس مقام کے صاحب کے دل سے فوارہ کی طرح رحمت ربانی اور عام لوگوں کی خیر خواہی جوش زن ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان کو اطلاع ہو کہ ان کے بڑے بڑے اعمال بعضے گنہگاروں کو عطا فرما دیئے گئے ہیں اور انہیں اعمال کے سبب سے انکا کاروبار درست ہو گیا ہے اور ان کا حال بد مآل رو باصلاح ہو گیا ہے تو البتہ ان بزرگونکو ان کے اعمال کے ذریعہ ان گنہگاروں کی ہلاکت سے نجات پانے کے سبب سے بڑی خوشی اور فرحت پہنچیگی اسلئے کہ خدائے تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے نے ان کے اعمال کے سبب سے نجات پائی ہے چنانچہ شیخ سعدی شیرازی نے شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کے احوال سے نقل کیا ہے کہ یہ بزرگوار ایک رات مناجات میں اس بیت کے مضمون کو ادا فرماتے تھے۔ بیت

چہ بودے کہ دوزخ زمن پُر شدی مگر دیگراں را رہائی بُدے

القصہ جب یہ یعنی امور دنیا دینی سے تبری اور بے تعلقی اس کے دل کے اندر جائے گیر ہو جاتی ہے اور اس کی طبیعت کی تہ میں مستحکم ہو کر بیٹھ جاتی ہے اور مقام فنائے ارادہ پورا پورا اسے حاصل ہو جاتا ہے تو عنایت غیبی اس کو برگزیدہ کر کے بمنزلہ چیلہ خاص کے کر دیتی ہے جس طرح کے بادشاہان ذوالاقتدار اپنے بعض مطیعین کو تمام رعایا سے ممتاز کر کے چیلہ خاص کا خطاب اسے دیدیتے ہیں پس جس طرح چیلہ خاص کو اپنے مولیٰ کی امتعہ و اقمشہ میں تصرف کرنے کی مطلق اجازت ہوتی ہے اور اپنے مولیٰ کی تمام سلطنت کو اپنی طرف نسبت دے سکتا ہے مثلاً بادشاہ ہندوستان کے چیلہ خاص کو پہنچتا ہے کہ کہے ہماری سلطنت شہر کابل سے لیکر سمندر کے کنارہ تک ہے اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ کے صاحبان عالم مثال

(سبز بخاری مطابق کی کہانی ص ۳۲۹)

اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون و مجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو
پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو اپنی طرف نسبت کریں مثلاً ان کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک
ہماری سلطنت ہے معنی اس کلام کا یہ ہے کہ عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے
اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت متساوی ہے یا اس طرح کہیں کہ کسی چیز کو ہمارے ساتھ
خصوصیت نہیں کہ وہ چیز ہماری طرف منسوب ہو اور اس کے سوا دوسری چیزیں ہماری طرف
منسوب نہ ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا افادہ۔ جو حالات و مقامات اور فضائل اس رسالہ میں مندرج ہیں جو شخص ان سے
متصف ہو جائے یا صرف انکی دریافت علمی سے بہرہ مند ہو جائے اس کو لازم ہے کہ ان مومنوں
کی تعظیم و تکریم اور حق شناسی میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرے جو ان امور سے عاطل[1] اور غافل ہیں
بلکہ ہر ایک کے حال کے مطابق اس کی تعظیم کا حق بجا لاوے کیونکہ ہر مسلمان اللہ جل شانہ کا نام پاک
لینے سے کوتاہی نہیں کرتا پس اولاً تو عظمت اس نام کی خاطر اس کی تعظیم کرنی چاہیئے یہ نام پاک
نہایت جلیل القدر نام ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی چیز وزن نہیں رکھتی اور اس کی کنہ کمال میں
ادراک نہیں پہنچ سکتا اور اس کے اجر و ثواب کی نہایت نہیں ثانیاً اپنے ابتدا اور انجام کے حال کا
ملاحظہ کرکے تکبر کی بری صفت سے بری ہو کر اپنا بازو پست کرے کیونکہ ابتدائے آفرینش میں
ہر کوئی محض بے عقل اور بالکل ناکارہ ہوتا ہے اور انجام کسی کو معلوم نہیں کہ کیا ہوگا پھر اپنے
حق میں خود بھی کس بھروسہ پر کرے ثالثاً حضرت حق جل شانہ کی عموم رحمت کے لحاظ سے (ہر ایک
کی تعظیم میں کوشش کرنی چاہیئے) کیونکہ اس کی رحمت و قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ ایک لمحہ میں
انسان کو خواہ مومن ہو خواہ کافر قطب الاقطاب بنائے پس کافر کو ایک لمحہ میں نعمت ایمان سے
ممتاز کرکے اسی وقت اس کو نعمت قطبیت سے مشرف کرے اور اس کی رحمت اور انعام محنت اور
استعداد پر موقوف نہیں بلکہ محنت اور استعداد بھی اس کے انعام عام میں سے ہے اگر کسی کو بڑے
عرصہ میں نہایت سخت محنتیں کرنے کے بعد کوئی نعمت عطا ہو تو یہ خیال نہ کرے کہ بخشش الٰہی
ایسی محنت کے سوا کسی کو حاصل ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ اس سے ہزار درجہ بڑھ کر بلا محنت ایک لحظہ

[1] عاطل یعنی خالی جو ان صفات سے موصوف نہیں ہوئے۔ عافل بیخبرہ۔

حق کے ملکہ کے بعد دوسری یادداشت کو بھی اس کے ساتھ ضم کرنا چاہیے جس کا بیان دوسرے باب میں مفصل گزر چکا ہے۔

پانچواں افادہ۔ جب اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی طالب کے قابو میں آ گئی تو اب نفی النفی اور فنار الفنا کو شروع کرے یعنی جس چیز کے ساتھ اپنی اور تمام موجودات کی نفی کرتا تھا اب اس کو معدوم اور نیست کرنا چاہیئے اور چونکہ نفی النفی نیستی محض ہے اور اس کی علامت غفلت اور بودگی اور قوت دراکہ کا محض خالی ہونا ہے یہاں تک کہ اگر اس شغل میں کمال ملازمت کریگا تو تو اس کا بدن معدوم ہو جائیگا اور اس سے کچھ اثر باقی نہ رہے گا اگرچہ یہ غفلت کی حالت طالب کو پسند خاطر نہ ہوگی لیکن چونکہ آئندہ کارآمد ہے اس لیئے اس کو مہمل نہ چھوڑے بلکہ عمل لائے اور نفی النفی کے ناپسند ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس شغل میں ادراک اور دریافت کا نابود کرنا ہے اور جب ادراک نہ رہا کچھ معلوم نہیں ہوتا اور انسان کی دل لگی اور مانوسی ادراک ہی کے سبب سے ہوتی ہے اور اگرچہ شغل نفی میں بھی ہر چیز کو اپنے ادراک سے دور کرتا تھا لیکن اس کے خیال میں ایک صفائی سی باقی رہتی تھی اور دل لگی کا سبب بنی رہتی تھی جس طرح صاف طبیعت والے میدان صفا میں مانوس ہو جاتے ہیں اسی طرح نفی میں بھی ایک قسم کی انسیت ہوتی ہے برخلاف نفی النفی کے کہ اس مقام میں انسیت کا مدار بالکل کچھ باقی نہیں۔

چھٹا افادہ۔ شغل نفی کی تکمیل و اتمام کے بعد دو صورتیں پیش آتی ہیں کبھی تو توحید صفاتی منکشف ہو جاتی ہے اس کا مجمل بیان اس طرح ہے کہ صاحب اس شغل کا اپنے آپ کو اس طرح گمان کرتا ہے کہ جو کثرت جہان میں ہے وہ اس سے صادر ہو رہی ہے اور اس کی تصویر اس طرح نمودار ہوتی ہے کہ اپنے بدن کی فراخی اور نہایت کشادگی خیال میں بیٹھ جاتی ہے اور یہ فراخی اس مرتبہ تک پہنچتی ہے کہ اس کا خیال عالم اجسام سے جس میں سب سے اوپر عرش مجید ہے اس کے تمام اطراف سے متجاوز ہو جاتا ہے اور تمام جہان کو اپنے آپ میں دیکھتا ہے افلاک و عناصر۔ جبال و بحار۔ اشجار و احجار۔ حیوان و انسان سب کو اپنے جسم کے اجزاء و اعضا خیال کرتا ہے اس حالت میں آسمانوں کے مکانات پر اطلاع اور زمین کے بعض مقامات کی سیر جو اس کی جگہ سے دور دراز فاصلہ پر ہوتی ہیں بطور کشف حاصل ہوتی ہے اور اس کا وہ کشف

جلوہ گر ہوتی ہے اور صرف طالب کے دل کے احوال کے تبدل سے غیب میں کبھی تبدل و
تفاوت اس کی بصیرت آنکھ میں ظاہر ہوتا ہے اور چونکہ مطابق حدیث نبوی علی صاحبہ
الصلوٰۃ والسلام آدمی کا دل ایک پر کے ریشہ کے حکم میں ہے جو صاف میدان میں پڑا
ہوا ہے اور ہواؤں کے جھونکے اس کو الٹا سیدھا زیر و زبر کرتے رہتے ہیں انسان کے
دل کو قرار نہیں لہذا شیون ذات کو بھی اس طرف سے قرار نہیں بلکہ دم بدم متبدل ہوتے
رہتے ہیں اور شیون الٰہیہ کے تفاوت کے سبب سے یہ بات ہوتی ہے کہ معاملات مختلف
مطابق استعدادات بنی آدم کے پیش آتے ہیں اور سیر فی اللہ کا بیان بڑی لمبی چوڑی
تفصیل رکھتا ہے کہ اس کی تحریر ان اوراق میں دشوار ہے لیکن جو سلوک کہ متعارف
ہے اور اس فن کی تصنیف شدہ کتابوں میں منضبط ہے وہ مقام معرفت تک ختم ہو جاتا
ہے پس بس۔

دوسری فصل اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں نئے طریق پر جو قوت اثر اور جلدی سے تھوڑے زمانہ میں بہت سے فوائد کے ظاہر ہونے کے موجب ہوں اور مجاہدات اور ریاضات متعارفہ کے لحاظ سے آسان دکھلائی دیں

اور یہ فصل دو ہدایتوں پر مشتمل ہے

پہلی ہدایت اشغال طریقہ چشتیہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت پانچ افادوں پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ طالب کو چاہیئے کہ پہلے باوضو دو زانو بطور نماز بیٹھ کر اس طریقہ کے بزرگوں
یعنی حضرت معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہ حضرات کے نام کا فاتحہ
پڑھ کر بارگاہ خداوندی میں ان بزرگوں کے توسط اور وسیلہ سے التجا کرے اور نیاز بے
انداز اور زاری بے شماری کے ساتھ اپنے کام کے فتح یاب کے لئے دعا کر کے ذکر دو ضربی
شروع کرے اس ذکر کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ مبارک اللہ کو دو بار متصل کہے اور دونوں کے
اتصال کے واسطے پہلے لفظ کے آخر کو ضمہ دے اور اس دو بار کہنے کو ایک ذکر قرار دے

نماز مغرب کا طریقہ ۸۶

پہلے ذکر کے طور پر صرف لفظ اللہ کہے بدون ضرب اور شدت اور جہر مفرط کے اور اس لفظ
مبارک کو اپنے خیال میں اس نور کے اندر جو اس کے بدن کے جابجا بھی وہی ہوگیا ہے جاروب
یا مصقلہ کی طرح گردش اور حرکت دے کہ اگر کچھ کدورت اپنے بدن وغیرہ کے خیال سے اس
میں رہ گئی ہو اس کو مصفیٰ اور مصقول کرے اور تمام وہ نور صاف اور چمکیلا اور خوب روشن و
براق ہوجائے۔

چوتھا افادہ۔جب یہ نور اس طرح صاف ہوجائے کہ اس کا شعاع ہر طرف سے دور دور
جا پڑے اور اس کا تصفیہ اور تصقیل بھی ذاکر کے قابو میں آجائے اس وقت چوتھا ذکر شروع
کرے اور وہ ذکر نفی و اثبات یعنی "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" ہے پس "لا" کو اپنے خیال میں کھینچکر
زمین و آسمان کا محیط کردے اور تمام دورہ کو گھیر کر الٰہ کو اپنے اندر تمام کرے اور لا کے
کھینچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے منہ کے سامنے ممتد اور وسیع خیال کرے تا آنکہ عرش مجید
تک جا پہنچے پھر اس کو متحرک تصور کرے کہ تمام عالم میں جنبش کھاکر دائرہ کی طرح ہو کر پھر اپنے
مقام میں پہنچ گیا ہے۔ اور لفظ اِلَّا اللّٰہ کے ساتھ جانب فوق میں عرش مجید کے اوپر ضرب کرے
اور لفظ لَا اِلٰہَ میں ہر چیز کی معبودیت کی نفی فی الواقع اور فی الحقیقت اور اپنے وجود اور تمام
اشیاء و کائنات کی نفی اپنے خیال سے لحاظ درست اور تصور محبت کے ساتھ مستقر اور مستحکم
کرے اور ضرب اِلَّا اللّٰہُ میں ذات بحت کی طرف اشارہ کرے جو کلام مجید کا منطوق[1] ہے
یعنی اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اس ذکر کے تکرار کے ساتھ اس ذات بحت کا نور عرش
کے اوپر سے دریائے موجزن کی طرح اس کثرت اور وسعت سے آئیگا کہ تمام عالم کو محیط ہوجائیگا
بلکہ تمام عالم اس میں گم ہوجائیگا جس طرح پہلے ذکر میں فقط ذاکر کا جسم محو و گم ہوگیا تھا۔ اس
طریق سے ذکر نفی و اثبات طالب صادق کے لئے حصول کمالات مقصودہ میں کافی ہے فہم درست
چاہیئے اور اس ذکر کو کثرت اور مبالغہ سے کرے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقیات کے لئے
کسی دوسرے شغل کا محتاج نہ ہوگا۔

پانچواں افادہ۔اس ذکر سے منزل مقصود کی طرف انتقال کرنے کا طریق یہ ہے اس نور
کے استقرار کے بعد عرش کے اوپر فائض ہو کر تمام عالم کو محیط ہوگیا ہے اسی نور میں مراقبہ کرے

[1] یعنی معنی [2] یعنی رحمٰن تبارک و تعالیٰ عرش مجید پر جابراجا۔

اور ذکر کو چھوڑ دے اور مراقبہ کا طریق یہ ہے کہ اپنی نفی اور تمام عالم کی نفی جو نور مذکور کے احاطہ کے طفیل ہوئی تھی قصدی لحاظ سے ملحوظ کرکے اس طرح اپنے قابو میں لائے کہ اولاً بدون لحاظ کے بھی اپنی اور تمام کائنات کی نفی اسے آسان ہو جائے اگرچہ نفی اس نور سے منفک نہیں ہوتی لیکن اس شخص کو چاہیے کہ نفی کو مقصود لذاتہ بنا کر شغل نفی کو مستحکم کرے پھر استحکام نفی کے بعد یا توجہ صفاتی ظاہر ہوگی یا انوار کا مشاہدہ ہوگا دوسرا طریق مطلب یابی کا راستہ ہے پس جس طریق پر فصل اول میں مذکور ہوا ان نورانی حجابوں سے تجاوز کرتا جائے تاکہ سب سے اخیر حجاب سے جو نسبت بیرنگی سے نامزد ہے فائز ہو اگرچہ اس طریق کی نسبت کو مہتاب کے نور کے ساتھ جو پھیلا ہوا ہو تشبیہ دیتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت بیرنگ ہے ایک گونہ رنگ جو معلوم ہوتا ہے اس میں غور کرتے ہی بے معلوم ہو جاتا ہے کوئی رنگ خیال میں نہیں گزرتا اور جب اس حجاب اخیر سے بھی تجاوز واقع ہو جائیگا تو ذات بحت کا وصول جو منتہائے سلوک ہے متحقق ہو جائے گا۔

دوسری ہدایت فوائد متفرقہ کے بیان میں

اور یہ ہدایت دو افادہ پر مشتمل ہے

پہلا افادہ۔ آسمانوں کے حالات کے انکشاف اور ملاقات ارواح اور ملائکہ اور بہشت دوزخ کی سیر اور اس مقام کے حقائق پر اطلاع اور اس جگہ کے مکانوں کے دریافت اور لوح محفوظ سے کسی امر کے انکشاف کے لئے یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ کا ذکر کیا جاتا ہے یا حیّ کو ذکر خیالی سینہ کے درمیان سے لب تک لائے۔ اور اپنی روح کو اس کے نیچے پیوستہ کر دے اور پھر لفظ یا قیوم کو سینہ سے نکالے اور چونکہ اس لفظ مبارک کا تلفظ پہلے لفظ کے تلفظ کے متصل واقع ہوتا ہے اس لئے ضرور ان دونوں مبارک اسموں کا اثر دوسرے لفظ کا تلفظ کرتے وقت قوت پکڑ جاتا ہے پس لفظ اخیر کے تلفظ کے ہمراہ دونوں لفظ مبارک کی استعانت سے بایں طور کہ یہ اسم مقدس روح کے نیچے ہو جائے اور روح دونوں اسموں کے درمیان رہے روح کو عرش کے اوپر پہنچائے اور اس جگہ پہنچکر توقف کرکے دور و سیر کرے اور سیر دور میں اختیار ہے خواہ عرش کے اوپر سیر کرے یا اس کے نیچے اور آسمانی مواضع میں سیر کرے یا

زینی بقاع میں جیسے کعبہ معظمہ یا اور اماکن متبرکہ اور پھر عرصہ کے بعد جب اس عالم کی بیداری اور خبرداری چاہیے انہیں دونوں اسموں کی امداد سے اوپر سے نیچے کو انتقال کرے یا حیُّ کے ذکر خیالی کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرنے کی تیاری کرے اور یا قیّومُ کی ہمراہی سے تمہ ریگا اپنے مکان تک پہنچے اور نزول میں آسمانوں کو جدا جدا ملحوظ رکھے۔

دوسرا افادہ۔ کشف قبور کے لیے ذکر سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَۃِ وَالرُّوحِ معز رہے اس کا طریق اس طرح ہے کہ پہلے اسم یعنی سُبُّوحٌ کے ساتھ ناف سے دماغ تک یعنی لطیفہ اخفی کے مقام تک پہنچے اور دوسرے اسم یعنی قُدُّوسٌ کے ساتھ وہاں سے عرش مجید کے اوپر اور تیسرے اسم کے ساتھ اس جگہ سے انتقال کرکے ضرب کے طور پر دل میں مارے اور دل کے دروازہ فوقانی سے داخل ہو کر دروازہ تحتانی سے باہر نکل کر قبر کی طرف متوجہ ہو اور اگر ایک بار میں مدعا حاصل نہ ہو تو تنگ دل نہ ہو اور اس تکرار میں حضور اور توجہ اور التجا اور زاری سے کوشش کرے اور فضل الٰہی سے پختہ امید رکھے کہ کشف مطلوب حاصل ہو جائیگا اور اس کشف قبور کو ناواقف لوگ قرب الٰہی کا سبب جانتے ہیں اور حقیقت میں یہ دوری کا موجب ہے۔

تیسری فصل اشغال طریقہ نقشبندیہ کے بیان میں

اور یہ ایک فصل ایک تمہید اور دو ہدایت پر مشتمل ہے

تمہید۔ لطائف ششگانہ جو انسان کے اندر ہیں ان کے مواضع کو معلوم کرنا چاہیے لطیفہ قلب بائیں پستان کے نیچے ہے اور لطیفہ روح داہنے پستان کے نیچے اور لطیفہ سر دونوں کے درمیان وسط سینہ میں اور مقام لطیفہ نفس عین ناف ہے۔ اور لطیفہ خفی کا مقام پیشانی ہے جہاں سر کے بال ختم ہو کر پیشانی شروع ہوتی ہے اور سجدہ کے سبب سے اسی جگہ نشان پڑتا ہے اور لطیفہ اخفی تالو کے مقام میں سر کی اگلی جانب میں واقع ہے جس جگہ بچوں کے سر میں جنبش اور حرکت محسوس ہوتی ہے۔

پہلی ہدایت اقسام ذکر کے بیان میں اور اس ذکر کے بیان میں جو طریقہ نقشبندیہ میں رائج ہے

اور یہ ہدایات چار افادوں پر مشتمل ہے

چوتھا افادہ۔ جب سلطان الذکر جو مذکور ہو چکا ہے بتدریج آ جائے اور الا دے کے وقت تکلیف کے بجائے ظاہر ہو جائے تو نفی کا شغل کرے یعنی شغل نفی کے ساتھ یادداشت کے شغل کو جوڑ دے اس کے بعد نفی النفی کا شغل کرے پس خواہ مخواہ سالک پر یا تو توحید صفاتی کھل جائے گی یا جب ذاتیت ظاہر ہو جائیں گے اور دوسرا امر کامیابی کا طریق ہے پس سالک کو چاہیے کہ جس طرح پہلی فصل میں مذکور ہو چکا ہے اس پردے سے نکل جائے اور اس پردہ کو طے کرتے ہوئے مراقبہ معیت کا شغل کرے تاکہ انجام کار اس پردے تک پہنچ جائے جس کا نام نسبت بیرنگی ہے اگرچہ اس طریقے کی نسبت کو دریا کے اس پانی سے نسبت دیتے ہیں جو خس و خاشاک اور ریگ و خاک کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے لیکن گہری نظر کے بعد قابل تعبیر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی اور نسبت بیرنگی کے بعد ذات بحت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور متعارف سلوک ختم ہو کر سیر فی اللہ پیش آتی ہے اور اس سیر کی اثنا میں بہت عمدہ حالتیں اور عجیب مقامات ظاہر ہوتے ہیں اور جس مرشد کے حضور میں طالب سیر فی اللہ میں ترقیاں کرے گا وہی مرشد وہاں کے مقامات کی حقیقتوں سے آگاہ کر دیگا۔ فائدہ۔ اس طریقہ کے امام یعنی خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ نے فرمایا ہے بیت

اول ما آخر ہر منتہی ست — آخر ما جیب تمنا تہی ست

سچے طالب کو چاہیے کہ اسی امر کی تلاش میں رہے جس کو آنجناب نے جیب تمنا تہی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور اس کا اجمالی مطلب یہی ہے کہ طالب اپنے ارادوں اور مقصدوں سے اس طرح خالی ہو جائے جیسے اس کتاب کی چوتھی فصل میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔

دوسری ہدایت متفرق فائدوں کے بیان میں

اور اس میں دو فائدے اور ایک فائدہ ہے

پہلا افادہ۔ کشف ارواح اور ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین و آسمان اور جنت و نار کی سیر اور لوح محفوظ پر مطلع ہونے کے لیے دورے کا شغل کرے اور اس کا طریقہ پہلی فصل میں مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی زمین و آسمان اور بہشت و دوزخ کے جس مقام کی طرف متوجہ ہو اسی شغل کی مدد سے وہاں کی سیر کرے اور اس جگہ کے حالات دریافت کر کے وہاں

کے رہنے والوں سے ملاقات کرے اور بعض اوقات ان سے بات چیت بھی میسر ہو جاتی ہے
اور آئندہ یا گذشتہ یا کسی دنیوی یا دینی امر کی صلاح اور مشورت معلوم ہو جاتی ہے۔

دوسرا افادہ - جاننا چاہیے کہ آئندہ واقعات کے کشف کے لئے اس طریقہ کے بزرگوں
نے کئی طریق لکھے ہیں اور سب سے بہتر یہی ہے کہ رات کے تیسرے پہر کو جاگ کر نہایت
ہی حضور قلب کے ساتھ کمال آداب اور مستحبات کے ساتھ وضو کرے اس کے بعد دعا
ماثورہ دعائیں جو گناہوں کے کفارے کے لئے مقرر کی گئی ہیں - بارگاہ الٰہی میں پوری التجا
کے ساتھ پڑھے۔ اور اس کے بعد نہایت ہی خضوع اور خشوع اور قلب و قالب کے اطمینان
کے ساتھ سارے آداب و مستحبات پورے کر کے صلوٰۃ تسبیح ادا کرے اور تمام زمین میں
گناہوں کے کفارے کی دعائیں اور اللہ جل شانہ کی درگاہ پاک میں اپنے گناہوں کی
معافی کی التجا کو ملحوظ خاطر رکھے پھر تہ دل سے تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اس حد
تک التجا کرے کہ اس کے تہ دل میں گناہوں کی معافی اور توبہ کے قبول ہونے کا ظن
پیدا ہو جائے پس اشغال طریقت میں سے جس شغل کی مہارت رکھتا ہو اسی میں مشغول
ہو جائے اور اس سارے شغل میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی درگاہ میں اس مطلوب واقعہ
کے کشف کے واسطے اس طرح التجا کرتا رہے کہ اس کی تمام ہمت اسی واقعہ کے انکشاف
کی طرف متوجہ ہو جائے اللہ تعالیٰ کی جناب سے پختہ امید ہے کہ اوپر سے الہام کے نازل
یا تہ دل سے اس واقعہ کے ظاہر ہو جانے کے باعث انکشاف ہو جائیگا اور وسوسوں کے
وارد ہونے اور الہام کے نازل ہونے میں یہ فرق ہے کہ الہام ایک ایسا امر ہے جو دل
میں نازل ہو کر ٹھیر جاتا ہے اور مضبوط ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور وسواس ٹھیرتا نہیں اور اس
کے آنے جانے کا کوئی مقرر طریق نہیں چور اور کیسہ بر کی مانند ایک طرف سے آتا ہے اور دوسری
طرف سے چلا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز دل کو ایک طرف سے دبا کر چلی گئی
ہے اور دوسری دفعہ دوسری طرف سے اور اگر طریق مذکور سے واقعہ کا انکشاف نہ ہو تو
چاہیئے کہ نہایت التجا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کرے کہ اے اللہ میں بیخبر ہوں
اور تو سب چیزوں کو جانتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس طریق سے فلاں واقعہ کے

انکشاف کے واسطے کوشش کی ہے اور مقصود حاصل نہیں ہوا پس اپنے بندوں میں سے کسی کی زبان پر دہ کلام جاری کر جس سے میں اپنا مطلب معلوم کر لوں اس کے بعد اپنے کانوں کو ان آوازوں کی طرف متوجہ کرے جو لوگوں سے سونے یا جاگنے کی حالت میں صادر ہوتے ہیں اور فال کے طور پر ان کے کلام سے اپنی مراد کا استنباط کرے اگر اس طرح سے بھی انکشاف مطلوب حاصل نہ ہوا۔ تو چاہیے کہ اسی وقت یعنی رات کے تیسرے پہر کو انکشاف واقعہ مطلوبہ کی نیت پر دو رکعت نماز پڑھے اور ہر رکعت میں تین دفعہ سورۂ فاتحہ اور تین دفعہ آیۃ الکرسی اور پندرہ دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے بعد ازاں سر سجدہ میں رکھ کر نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ حصول کشف کی نیت پر ایک سو ایک بار کلمہ یَا خَبِیْرُ اَخْبِرْ لِیْ کہے پھر دعا کر کے سو رہے انشاء اللہ تعالیٰ اشارۃً خواہ صراحۃً خواب میں اس واقعہ کا حال ظاہر ہو جائیگا

فائدہ - اشغال مبتدعہ میں سے شغل برزخ بھی ہے جو کہ اکثر متاخرین میں مشہور ہو گیا ہے بلکہ بعض بزرگوں کے کلام سے بھی پایا جاتا ہے اور شغل مذکور کی صورت یہ ہے کہ وسوسوں کے دور کرنے اور ارادے جمع ہونے کے لئے پوری تعین اور تشخیص کے ساتھ شیخ کی صورت کو خیال میں حاضر کرتے ہیں اور خود نہایت ادب اور تعظیم اپنی ساری ہمت سے اس صورت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں گویا بڑے ادب اور تعظیم کے ساتھ شیخ کے روبرو بیٹھے ہیں اور دل کو بالکل اسی کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور شغل کا حال تصویر کے حال سے معلوم کر سکتے ہیں اس لئے کہ تصویر کا بنانا کبیرہ گناہ ہے اور اس میں دیکھنا خاص کر تعظیم اور توقیر کے ساتھ حرام ہے اور حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ اپنے اطلاق سے اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تصویروں کے سامنے عکوف منع ہے ادب اور تعظیم اور محبت کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حضور کر لازم پکڑنا عکوف ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ظاہری صورت کے ساتھ یہ عمل کرے بیشک گنہگار ہے اور اس گنہگار اور راہ حق کے طالب کے عمل میں فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اول میں تو ایک کاغذ اس جیسی چیز پر رنگین تصویر ہوتی ہے اور ثانی میں چمڑے کے رنگ اور بالوں اور خط و خال سمیت پوری تصویر صفحۂ خیال میں منقوش ہوتی ہے اگرچہ ظاہر میں تو یہ بت پرستی نہیں لیکن

کے بدن کی نفی اس طرح مضبوط اور پختہ ہوجائے گی کہ اپنے تمام وجود بلکہ تمام عالم کی نفی قوت خیالیہ میں ہمیشہ قائم رہے گی اور جس وقت نفی کا شغل طالب کے خیال کی تہ میں جم جاتا ہے درویشی کے معاملے ظاہر ہونے شروع ہوجاتے ہیں خاص کر دوائر کا انکشاف کہ شغل نفی کے سوا کما حقہ ان کا انکشاف متصور نہیں اور جس قدر نفی زیادہ کامل ہوگی اسی قدر انکشاف زیادہ ہوگا پس مراقباتِ دوائر سے پہلے نفی کی تکمیل اور ترقی میں کوشش کرنی چاہیئے اور بدن کا مطلقاً معلوم نہ کرنا کمال نفی ہے اور نفی کے کمال میں اس چیز کے سوا جو دوائر کے انوار کو معلوم کرتی ہے اور کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اس کے بعد نفی النفی اور فنار الفنا پیش آئے گا اور وہ مدرک چیز بھی باقی نہ رہے گی اور محض غفلت طاری ہوجائے گی اور مراقبات دوائر کے ساتھ مزید نفی میں کوشش کرتا رہے جس وقت نفوس محبت کے کمال اور انتہا کو پہنچے گا نفی النفی اور فنار الفنا حاصل ہوجائیگی - اگرچہ نفی النفی کا شغل اس طریقہ کے بزرگوں کے کلام میں صریح طور پر مذکور نہیں لیکن دوائر کے انکشاف اور معاملات کے ظہور اور انوار کے رسوخ کے لیئے اس شغل کا ہونا ضروری ہے اور اس جیسے اشغال کے ان بزرگوں کی تصریح نہ کرنے کا یہ سبب ہے کہ انکی تاثیر کی قوت کے باعث مریدوں پر نفی اور نفی النفی طاری ہوجاتی تھی. پس صرف انکی توجہ ان اشغال سے بے پرواہ کر دیا کرتی تھی لیکن نفی کے حاصل ہونے کے سوا دائروں کا انکشاف اور ان کے انوار کا رسوخ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے خواہ وہ نفی صرف شیخ کی تاثیر سے حاصل ہو خواہ خود اپنے کمانے سے حاصل ہو واللہ اعلم بحقیقۃ الحال مقصد اس طریقہ کے مستعملہ الفاظ کی تفسیر کے بیان میں مراقبہ احدیث سے دوائر کا شغل معلوم ہوتا ہے اور اس کا یہ طریقہ ہے کہ اللہ عزوجل کی ذات مقدس کی وحدانیت کا لحاظ کرے اور اس لحاظ کو قلب سے نکال کر اوپر کی طرف متوجہ کر کے عرش مجید سے بھی اوپر کو لے جائے یہاں تک کہ اس کا اثر ظاہر ہوجائے اور اس کا اثر یہ ہے کہ دل کے اوپر کی جانب سے نورانی اسطوانے کی مانند لمبا سا نور ظاہر ہو کر عرش مجید تک پہنچتا ہے اور اس نورانی اسطوانے کا شعاع تمام جہان کو گھیر لیتا ہے - پس اس نور کا جوہر دہی اسطوانہ ہے جس کی جڑ دل کے اوپر کی جانب میں

ہے اور اس کا سر عرش مجید تک ح پہنچکر اس کا شعاع سارے جہان میں پھیل جاتا ہے اور
اس نور کا ظاہر ہونا دائرہ امکان کا شروع اور اس نور کا عرش مجید تک پہنچنا نصف
دائرے کے حاصل ہونے کی علامت ہے اور اس سے آگے بڑھ جانا اس کے پورا
ہونے کی علامت ہے اور صرف اس لمبے نور کا ظاہر ہونا امکان کا دائرہ نہیں ہے کیونکہ
اس طرح کی وسعت اور فراخی جس کا مبدا اور منتہے مقرر اور ممتاز نہ ہو وہی دائرے کی
حقیقت ہے پس دائرہ اسی وقت ہوگا کہ نور کا شعاع ہر طرف پھیل کر تمام جہان کو گھیر کر
عالم امکان سے تجاوز کر جائے اور اس کا کوئی اندازہ اور حد نہ ہو۔ اور چونکہ یہ دائرہ
عالم امکان کو گھیر لیتا ہے اسی واسطے اس کا نام دائرہ امکان رکھا گیا ہے اور سیر قلبی
کے دوائر میں سے یہ پہلا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ ولایت قلبی کا ہے جسکو ولایت
صغری کہتے ہیں اور اس دائرے میں اقربیت کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے اور اس دائرے
میں دل کے نیچے کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے اور تمام دل آفتاب کی مانند ہو جاتا ہے
کیونکہ اس کی ساری طرفوں اور اس کی ہر جگہ سے نور چمکتے ہیں اور جو انوار کے ہر جہت
سے پیدا ہوتے ہیں دائرہ اول کی مانند موجودات ممکنہ سے تجاوز کر کے لامکان کی حد
تک پہنچکر غیر متناہی ہو جاتے ہیں اور اصل قلب باقی رہتا ہے اور یہ نہیں کہ قلب بالکل
نیست و نابود ہو جائے اور صرف انوار ہی باقی رہ جائیں بلکہ تمام اطراف سے دل مصدر
انوار بن جاتا ہے مگر نادر طور پر قلب نہیں بھی رہتا اور اس دائرے اور پہلے دائرے
میں دو طرح کا فرق ہے اول تو یہ ہے کہ پہلے دائرے میں نور کا چشمہ قلب کی فوقانی جانب
ہے اور اس دائرے میں تمام قلب انوار کا چشمہ بن جاتا ہے۔ دوم آنکہ پہلے دائرے میں
پھیلا ہوا انوار اسی کے دل کے اوپر والے لمبے نور کا شعاع ہے اور اصلی نور تو اتنا ہی ہے
کہ ستون کی مانند دل سے اوپر کو گیا ہوا ہے اور باقی دائرہ آفتاب کے شعاع کی طرح اسی
ستون سے پیدا ہوا اور اس عہ دائرے میں سارے کا سارا دائرہ اصلی نور ہے جو
دل سے نکل کر عالم امکان سے متجاوز ہو گیا ہے اور کبھی اس دائرے میں توحید کا بھید کھل
جاتا ہے یعنی وہ پھیلا ہوا وجود کہ تمام ممکنات اسی کے ساتھ قائم ہیں اس طرح معلوم ہونے

عہ یعنی دائرہ ولایت قلبی۔

لگتا ہے کہ تمام ممکنات کے وجود کو ایک ہی جاننے لگتا ہے اور کثرت کی وجہ سے جو امتیاز
ہیں سب اس کی آنکھ میں نابود ہو جاتے ہیں اور اس کی بصیرت کی آنکھ اسی پھیلے ہوئے وجود
پر پڑتی ہے اور اس وقت تمام بالکل فنا ہو کر صرف نور ہی نور باقی رہ جاتا ہے۔ تیسرا
دائرہ: ولایت کبریٰ کا دائرہ ہے اور تین دائرے اور ایک قوس اس ولایت کے ضمن میں
ہیں پہلے دائرے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک کے معیت کا مراقبہ کرے اور اس
طرح سے شروع کرے کہ اس کی ذات پاک کو بیچونی اور بیچگونی اور مکان اور جہت سے
نہایت پاک ہونے کے باوجود اپنے نزدیک اور اپنے ہمراہ جانے اور اپنے آپ کو
اس سے دور اور غائب نہ جانے بلکہ اپنے کاموں میں اس کو شریک اور شامل سمجھے اور
معیت کو اقربیت لازم ہے۔ اور اقربیت کو معیت لازم نہیں اس لیے کہ معیت کیواسطے
قرب کے باوجود اعانت اور مددگاری بھی ضروری ہے جب تک کوئی شخص دوسرے
کا مددگار نہ ہو اس کو اس کے ساتھ معیت حاصل نہیں ہوتی اگرچہ وہ اقرب ہی ہو اور
یہاں سے معلوم ہو گیا کہ سیر اور سلوک میں اقربیت معیت سے مقدم ہے اور جس شخص نے
معیت کو اقربیت پر مقدم کیا ہے پس قرب اور معیت کے ظاہری معنی کو متحد یا متقارب
جان کر اقربیت کی زیادتی کا لحاظ کر کے اس ترتیب کو اختیار کیا ہے لیکن سلوک میں
فی الحقیقت اقربیت معیت سے بہت پہلے آتی ہے اسی واسطے اقربیت کا مراقبہ پہلے چاہئے
اور صرف نزدیک اور ہمراہ ہونا معیت کا معنی نہیں بلکہ اس لفظ سے کاموں میں شامل ہونا
اور اعانت اور امداد اور ایک رنگ سے رنگین ہونا سمجھا جاتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ فارسی
میں ہمراہی کا لفظ اور ہندی میں ساتھی کا لفظ اسی سے خبر دے رہا ہے اور قرآن مجید کی
یہ آیتیں اس معنی پر عادل گواہ کافی ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ[۱] وَاِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَہْدِیْن[۲]
وَاِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا[۳] حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استمداد
اور استعانت کے موقع پر مع کے لفظ کو استعمال فرمایا ہے پس ظاہر ہو گیا کہ معیت میں

---

[۱] اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے [۲] اور بیشک میرا پروردگار میرے ساتھ ہے
عنقریب مجھکو راستہ دکھا دیگا [۳] بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اعانت ضروری ہے اور اقربیت اعانت کے سوا متحقق ہوتی ہے پس اقربیت کا مراقبہ معیت کے مراقبہ سے اول چاہیئے ہر حال میں اسی طرح سے مراقبہ کرتا ہوا اس مرتبہ کو پہنچ جائے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کی معیت کا لحاظ طالب علم کے ذہن میں پختہ ہو جائے اور کمال رسوخ کی یہ علامت ہے کہ تنہائی میں اپنے آپ کو تنہا نہ جانے مثلاً اگر فرض کیا جائے کہ تنہائی میں اس کو کوئی گناہ پیش آئے تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہاں تک شرمندہ ہوتا ہے کہ ایسے گناہ کی طاقت نہیں رہتی اور اس کے اعضاء گناہ کی طرف ہلنے سے خود بخود رک جاتے ہیں اور سست ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ جل شانہٗ کے قرب اور معیت کے لحاظ کا اثر اس میں ظاہر ہونا چاہیئے اور دوسرے کے سامنے گناہ کے قصد سے جو رکاوٹ پیش آئے اور اس دوسرے شخص کے حال کے موافق کمال اور نقصان میں درجے مختلف ہوتے ہیں مثلاً بازاری ناآشنا آدمی پیش آوے اور انسان کو گناہ کرنے سے روکے یا باپ یا استاد یا مرشد یا طاقتور عادل انتقام لینے والا بادشاہ آجائے اور اس کی وجہ سے رکاوٹ پیش آوے پس ہر شخص جانتا ہے کہ پہلی اور دوسری صورت میں فرق ہوگا بلکہ باپ سے اور طرح کی رکاوٹ ہوگی اور استاد سے اور طرح کی وعلیٰ ہذا القیاس پس اللہ تعالیٰ سے کس قدر شرم چاہیئے جو وجوہ عنایات اور کمالات کو جامع ہے اور مخلوقات کے وصفوں کو اس کی وصفوں سے ہرگز کچھ نسبت نہیں اگر باپ کی عنایت سے شرمندہ ہوتا ہے تو اُس کی عنایت کا کچھ ٹھکانا نہیں اور اگر استاد یا مرشد کی تعظیم گناہ کرنے سے روکتی ہے تو اس کی تعظیم کا قیاس کرنا چاہیئے اور اگر بادشاہ کی ہیبت گناہ سے مانع ہوتی ہے پس سچے بادشاہ عادل مطلق کی ہیبت کو سمجھ سکتے ہیں کہ اس ظاہری بادشاہ سے اس کو کیا نسبت ہے وعلیٰ ہذا القیاس اگر جنگل اور میدان ہو تو اپنے آپ کو تنہا نہ جانے اور اگر عبادت کی خلوت میں ہو تو اپنے محبوب اور مطلوب کو اپنی آنکھوں کے سامنے بلکہ تمام چیزوں سے زیادہ قریب سمجھ کر سراسر انست والفت ہی معلوم کرے اور وحشت اور بیگانگی کا کچھ اثر معلوم نہ کرے جب یہ آثار مترتب ہوں تو معیت کے معنوں کے حصول کا شکر ادا کرے اور یہ معیت اس وقت ولایت کبریٰ کی علامت ہوگی کہ اس دائرے کا نور دونوں مذکورہ دائروں کی نسبت صفائی میں بہت ہی زیادہ

عہ یعنی اللہ تعالیٰ کی۔

اگرچہ اس تجلی کے استقرار اور ثبوت میں بے شمار تفاوت ہے لیکن دائمی سے ظاہری معنی کے سوا کوئی اور امر مراد نہیں اور انبیاء اور مرسلین اور اولوالعزم کے کمالات کا ظاہر ہونا اسی تجلی میں سے ہے پس اس سیر کے تین درجے ہیں اول اس لحاظ سے کہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا منشا ہے یعنی اس طرح سے علوم ہدایت کا ظاہر ہونا کہ ان میں کسی طرح سے غلطی واقع نہ ہو سکے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں یہ بات ہمیشہ حتی کہ خواب میں بھی موجود ہوتی ہے کیونکہ انکا وجود باوجود فیض کا منبع ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو خبر نہ ہو لوگوں کو ان کے منافع پہنچتے رہتے ہیں۔ پس ان کا وجود چراغ کی مانند ہے کہ اس کی روشنی سے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں گو چراغ کو خبر نہیں ہوتی۔ پس انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ اپنے کام میں ہیں اسی واسطے ان کے فیوض تجلی ذاتی دائمی سے متعلق ہیں فرشتوں کے برخلاف کہ وہ ہمیشہ ایک کام میں مستغرق نہیں رہتے بلکہ حکم اور فرمان پہنچنے کے وقت کام بجالاتے ہیں پھر بےکار اور منتظر اور مستعد رہتے ہیں اسی واسطے ملائکہ کے کمالات کا منشا تجلی ذاتی دائمی نہیں ہوتی۔ اور وہ انوار تجلیات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کے ثمرات ہیں اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس سیر کے فیض کا مورد دو وجہ سے خاک کا عنصر ہے اوّل یہ کہ استقرار اور ثبات مٹی کی خاصیت ہے اس لئے اس سیر کے مناسب ہے۔ دوم یہ کہ اس تجلی میں ظہور کے معنی ہیں۔ کیونکہ اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ سارا جہان تجلی ذاتی دائمی ہے اور عالم کا ظہور ظاہر ہے اور عالم کے ظہور سے اس تجلی کا ظہور سمجھ لینا چاہئے اور انسان میں مٹی کا عنصر بھی ظاہر ہے اور انسان میں تواضع اور فروتنی کا پیدا ہو جانا مٹی کے عنصر میں اس سیر کے فیض کے ظہور کا اثر ہے اپنے مالک کے سامنے تواضع اور فروتنی کرنا اور اس کے حکم کو قبول کرنے سے سرکشی نہ کرنا اس سے مقصود ہے اگرچہ اپنے مالک کے احکام کی بجا آوری میں اس کے دشمن پر ایک قسم کی تعلی پائی جائے اور جو پستی پامالی کی وجہ سے ہے وہ اس تواضع کا غیر ہے کیونکہ تسفل میں مطلقاً اپنی پستی ہوتی ہے اور تواضع کا یہ معنی ہے کہ دوسرے کے سامنے اپنے بازو کو لپیٹ کرے پس تواضع ہر وقت میں ایک جدید امر ہے جو پیش آتا ہے تسفل کے برخلاف کیونکہ یہ ایک ایسا امر ہے جو ہمیشہ ساتھ لگا رہتا ہے کبھی جدا نہیں ہوتا اور جس طرح پہلے بیان ہو چکا

تیسرا درجہ ہے کفار کے ہلاک کرنے اور مومنوں کی اصلاح کے بارہ میں قوی ہمت کی بجاآوری کے ساتھ باقی رسولوں سے الوالعزم کا امتیاز ہوسکتا ہے پس کفار کے ہلاک کرنے میں رسولوں میں سے الوالعزم کی قوی ہمت کو بڑا بھاری دخل ہے رسول تو صرف امت کا حال ظاہر کرتے ہیں اور کفار کے ہلاک کرنے میں اللہ تعالیٰ کے قہریہ ارادے کے لئے اعضائے انسانی کے جابجا نہیں ہوتے اور اولوالعزم ملائکہ کی مانند عضو کے قائم مقام ہوتے ہیں اور عضو کے قائم مقام ہونے کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں اول آنکہ فرشتے اور اولوالعزم رسول وساطت میں برابر ہوں دوم آنکہ فرشتے مستقل ہوں اور رسول تابع سوم اس کے برعکس یعنی رسول مستقل ہوں اور فرشتے تابع اور تیسری صورت ایک بڑا درجہ ہے جو جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص ہے اور اس کا ظہور جیسا کہ چاہئے بدر کے دن ہوا اور صحابہ میں سے حاضرین بدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت کی طفیل اس خاصیت سے بڑا حصہ ملا ہے بالجملہ انبیاء میں سے رسولوں کا امتیاز اور رسولوں میں سے الوالعزم کا امتیاز اس سیر کے مراقبے اور اس کے آثار حاصل ہونے کے واسطے ضروری امر ہے اور آثار کے حاصل ہونے میں کلام کا زدہ خلاصہ جو ہر مقام کی سیر کے منتہا تک پہنچنے کی دلیل ہو یہ ہے کہ اس موقع پر تین امور کا ہونا ضروری ہے۔ اول انوار کا بدلنا چونکہ رسہ کر مذکور ہوا دوم صفات کا بدلنا چنانچہ یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے اور تازہ یہ ہے کہ جس صفت اور شان میں مراقبہ کیا جائے اسی صفت اور شان میں سے کسی حصہ کا حاصل ہونا بھی تبدل صفات میں سے ہے پس کمالات نبوت کا منشا ہونے کے لحاظ سے "جو شخص ذات کا مراقبہ کریگا اس کو نبوت کے معانی میں سے کسی معنی پر ضرور کامیاب کر دینگے اس کا ادنیٰ درجہ نیک خوابیں ہیں اور اسی طرح دوسرے درجہ میں رسالت کا معنی اس پر فائز ہوگا اور غافلوں اور جاہلوں اور سرکشوں کے سمجھانے اور بڑھانے اور مناظرے کا اس کو الہام کیا جائے گا اور تیسرے درجہ سے نافرمانوں اور سرکشوں کے ہلاک کرنے اور مطیعوں اور مخلصوں کے انعام اور اکرام کے بارہ میں اس کو قوی ہمت بخشیں گے اور اس مدعا کو عام طور پر اس طرح جاننا چاہئے کہ اسماء الٰہی میں

(ابن رکھا ... ہمت دانش صا ۱۱۶)

ہیں ان سے زیادہ اور جو لوگ روبرو رہتے ہیں وہ ان سے زیادہ اور جو کہ اپنی نگاہ کو بادشاہ
کے چہرے پر لگائے کھڑا ہے اور بالکل دوسری طرف توجہ نہیں کرتا سب سے اعلیٰ ہے
پس ان مراتب سے اعلیٰ مرتبے کو اختیار کر کے اس قدر ہمیشگی کرے کہ بادشاہ کے دل میں
اسکی طرف کچھ الفت پیدا ہو اور بادشاہ کے دل میں اس کی قدر اور وقعت جاگیر ہو جائے
اور بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص نہایت میرا محب اور مطیع ہے اور اس ذریعہ سے
اس کو وہاں کا رہنا میسر ہوگا اس لیے کہ جب ہمیشہ وہ اپنی نگاہ کو بادشاہ کی طرف لگائے رکھے
اور سب اہل دربار کو اس کی طرف بادشاہ کی توجہ کا حال معلوم ہوگا تو خود اہل دربار اس
سے راضی رہیں گے اور اس جگہ اس کے رہنے کو جائز سمجھیں گے پھر اس جگہ کی اقامت سے
اطمینان ہو جانے کے بعد اس کو لازم ہے کہ ہمیشہ حاضر رہ کر بادشاہ کے چہرے کو جس طرح
کہ لائق ہے غور اور تامل کے ساتھ دیکھتا رہے اور جو واقعات اور خبریں کہ دربار میں ہوا
کریں ان کو سن کر ہر خبر خوش اور ناخوش کے بعد بادشاہ کے چہرے کے تغیر کو غور سے معلوم
کر کے اوضاع تغیرات کو اچھی طرح یاد رکھے اور ہر تغیر کے بعد بادشاہ کے حضور سے جو حکم
انعام یا سزا یا صلح و جنگ یا بند و بست کے بارہ میں صادر ہو اس کو بھی دریافت کر کے
خوش خبریوں سے ذلیل غلام کی صحت یابی کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی صحت کی خبر تک
اور بدخبریوں سے ایک چوپائے کی موت کی خبر سے لے کر وزیر اعظم کی موت کی خبر تک وعلیٰ
ہذا القیاس کیسہ بُر کے گرفتار ہونے سے لے کر ملک اور لشکر والے زور آور دشمن کے گرفتار
ہونے تک اور دور دراز کے جنگل میں کسی گنوار کے لُوٹے جانے سے لیکر خاص قلعہ پر دشمن کی
چڑھائی کرنے تک سب چھوٹے بڑے کاموں کو نگاہ رکھے بالجملہ ان سب کے احاطے کا
قصد کرے اور بہت سی ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں کہ ان پر ایک ہی سزا مترتب ہوتی ہے اس
واسطے ان چیزوں میں بادشاہ کے چہرے کے تغیر میں کچھ تفاوت نہیں ہوتی پس یہ گمان نہ کرے
کہ ہر خبر اور واقعہ میں کوئی علیحدہ تغیر ہوگا بلکہ اگر دوبار تغیر اور چہرہ یکساں پائے تو جان لے
کہ یہ دونوں خبریں برابر ہیں انکی جزا اور سزا میں کچھ تفاوت نہیں ہمیشہ اسی عمل پر رہے تاکہ
اس کی ذہانت اور فہم کے موافق بادشاہ کی مرضی شناسی کا مادہ اس میں پیدا ہو جائے اور

ہو اسکی نارضامندی کا باعث بنے گا و علیٰ ہذا القیاس ہر امر میں اسکو عجیب قسم کی بصیرت
حاصل ہو گی اور یہ دریافت کوشش اور اجتہاد سے نہیں بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے جا بجا
ہے اور جب سالک کو یہ کمال حاصل ہو جاتا ہے وہ مکالمہ کے مرتبہ پر کامیاب ہوتا ہے اور
من وجہ کلیم اللہ ہوتا ہے اگرچہ حقیقی کلام درمیان میں نہ آئیگی اسلیے کہ اشارات اور اوضاع
سے مقصود اور مراد کا سمجھ لینا بھی ایک قسم کا کلام ہی ہے اور کبھی کلام حقیقی بھی ہو جایا کرتا ہے
اور کلام کے اصل مدلول کے برخلاف مراد اور مدعا کو بھی دریافت کر لیتا ہے اور جب یہ کامل
بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے مطلع ہو کر اس رضا کے بموجب کسی کام کو سرانجام دیگا اور اس کی
کارگزاری ظہور پذیر ہو گی اللہ تعالیٰ کی عنایت کثرت کیساتھ اسکے حال پر جوش زن ہو گی اور اس
بارگاہ کے بزرگوار تو خود بخود اسکے سفارشی ہیں اور کار آمد آدمی کو بیکار چھوڑنا حکمت کے مخالف
ہے ضرور اسکو کسی خدمت کیساتھ عزت بخشیں گے اور وہ خدمت اسکے حال کے موافق ہو گی پھر
اسکو اسی خدمت پر توقف اور استمرار رہیگا یا ایک بلند مرتبے سے ترقی کر کے اس مرتبے پر پہنچے گا
کہ اس سے اوپر کوئی مرتبہ نہ ہو گا اور اہل ولایت ان امور کے پہنچانے پر مامور نہ ہوں جو ان پر
منکشف ہوتے ہیں تو انکو اس مقام میں نبوت کا پرتو حاصل ہو جاتا ہے اور اگر انکے پہنچانے پر
مامور ہو جائیں تو پرتو رسالت پر ترقی کر جاتے ہیں اور اگر اسکے باوجود مقابلے اور مخاصمے کا بھی
حکم ہو جائے تو اولو العزمی کے مرتبہ پر مقرر ہو جاتے ہیں اور بعض اس مقام میں خلیفۃ اللہ ہوتے
ہیں اور بعض خلیفۃ اللہ نہیں ہوتے خلیفۃ اللہ وہ ہے جسکو تمام مہموں کے فیصلے کے واسطے
نائب کی مانند مقرر کریں اور جو ایسا نہ ہو پس وہ خلیفۃ اللہ نہیں اگرچہ کبھی جو کام کہ خلیفۃ اللہ کے
ہاتھوں سے سرانجام پاتا ہے دوسرے کے ہاتھ سے بھی کرا لیتے ہیں ہاں وہ شخص بلاشک صاحب
خدمت ہوتا ہے ظاہر میں اسکی مثال یہ ہیکہ بادشاہ کبھی وزارت کا کام اپنے خواص سے لے لیتا ہے
پس اگرچہ اس خواص نے وزارت کے کام کو سرانجام دیا ہے لیکن وزیر نہیں ہوا اور یہ مقام
راہ ولایت کا نہایت ہے اسکے بعد راہ ولایت کے لئے کوئی کمال نہیں۔ واللہ اعلم۔

چوتھا باب سلوک راہ نبوت کے طریق کے بیان میں

اور یہ باب چھ افادوں پر مشتمل ہے

(مرزائی وفات مسیح کا باب ۸ ص ۳۲۸)

عزیز کو شیخ ظاہری پس ضرور ہیکہ اتباع قرآن کو اصل جانیگا اور اس عزیز کے اتباع کو اس کی فرع اور یہ امر بالکل ظاہر ہیکہ جب اصل و فرع آپس میں متعارض ہوتے ہیں اسوقت فرع درجہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے یہ ہے تصویر مقام توبہ کی اس وجہ پر جو اس طریق سے مناسب ہے اور اس طرز پر عقد توبہ کرنے میں فوائد عظیمہ اور منافع جلیلہ ہیں اور عمدہ منافع سے توبہ میں استقامت حاصل ہونا ہے تفصیل اسکی یہ ہیکہ تجربہ صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہیکہ جب کوئی طالب کسی عزیز کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے تو عنایت خداوندی اس بزرگ کی وجاہت کے سبب سے اس طالب کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور گناہ کے ارتکاب کے مواقع اور منہیات کی وابستگی کے مکان سے طرح طرح کے لطائف غیبیہ اور حیل قدسیہ سے اسکو باز رکھتی ہے اور یہ امر دو وجہ سے متحقق ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ عزیز باوجود وجاہت عنداللہ کے کامل النفس قوی التاثیر اور صاحب کشف صحیح ہوتا ہے پس حق جل وعلا اسی بزرگ کو اس طالب کے مظان منہیات میں واقع ہونے پر مطلع کر دیتا ہے اور گناہوں سے اسکے بچانے کا حکم فرماتا ہے پس وہ بزرگ کسی نہ کسی تدبیر سے خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں درمیان اس طالب کے اور تبائج کے حائل ہو جاتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہیکہ حق جل وعلا اس سبب سے کہ اس بزرگ پر بڑی عنایت رکھتا ہے غیب الغیب سے ایک لطیفہ ظاہر فرماتا ہے جو اس طالب کی حفاظت کا سبب ہوتا ہے اور یہ لطیفہ بوجہ من الوجوہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہوتا ہے اگرچہ اس عزیز کو اس معاملہ پر مطلق اطلاع نہ ہو بلکہ اس لطیفہ کا اس طور پر ظاہر ہونا کہ اس بزرگ کی طرف منسوب ہو محض اس بزرگ کی زیادہ وجاہت کیلئے پردہ غیب سے ظاہر ہوا ہے جیسے منقول ہے حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جب زلیخا کے ساتھ خلوت میں تنہا ہوئے اور اس عاشقۂ تباہ حال نے حصول وصال میں طمع کیا تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت دانتوں میں انگلی لئے ہوئے یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی اور اس معاملہ کے درہم برہم ہو جانیکا سبب بن گئی حالانکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے حال سے مطلق خبر نہ تھی بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (بحکم خداوندی) حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت میں ظاہر ہو کر اس معاملہ کو توڑ تاڑ دیا۔ جب یہ دونوں وجہیں ذہن نشین ہو گئیں پس جاننا

ہوتا ہے۔ اور اس معاملہ کے سبب سے اپنے اقران و امثال میں انکو بہت بڑی وجاہت حاصل ہوتی ہے۔ فائدہ۔ اگرچہ ان تین فرقوں میں سے ایک گروہ کو دوسرے دو گروہ پر من جمیع الوجوہ فضیلت دنیا غلط محض اور خطائے صریح ہے۔ ع۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔ لیکن بلا اعلیٰ بیں زیادتی اعتبار اور وجاہت پر نظر کر کے تیسری قوم کو دوسری پر ایسی فضیلت حاصل ہے جو اہل فطانت میں سے کسی پر مخفی نہیں۔ اسی طرح بدیں لحاظ کہ قوم ثانی کیلئے علاقہ عبودیت کے مقتضیات ظاہر ہیں۔ اور انکی سعی و خفارش سے عام لوگوں کو فیوض غیبیہ پہنچتے ہیں۔ رب اور خلقت کے درمیان انکو وسیلہ ہونے مقام حاصل ہے قوم ثانی کو قوم اول پر فضیلت حاصل ہے۔ جو کسی عاقل پر پوشیدہ نہیں۔

والعلم عند اللہ۔ **خاتمہ**۔ بیان میں بعض معاملات اور واردات کے جو حضرت "سید احمد" صاحب قدس سرہ کو دونوں طریق یعنی طریق سلوک نبوت اور طریق سلوک ولایت کے انتہائے سلوک میں پیش آئے ہیں۔ اگرچہ خود یہ کمالات ہدایت آیات کہ یہ کتاب مستطاب انپر مشتمل ہے اپنی حقیقت پر دلیل قاطع اور برہان ساطع ہیں۔ لیکن چونکہ اس زمانہ میں اکثر لوگ قال کو حال سے پہچانتے ہیں۔ نہ حال کو قال سے یعنی انکے نزدیک کمال کی خوبی اور معتبر ہونا بہ سبب اس اعتقاد کے ہوتا ہے جو اس کلام کے قائل کی نسبت تقلیداً انکو حاصل ہو حالانکہ عقلمندوں کو متکلم کا اعتقاد کلام کے سبب سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے اس کتاب مستطاب کے ذیل میں کسی قدر ایسے کلام کرنیکی ضرورت پڑی۔ جو اس کے ماخذ مضامین کا حال بیان کرے۔ تاکہ ان مضامین کے ناظرین کو بہ سبب اطلاع پانے کے اس امر پر کہ آنحضرت نے ان مضامین کو کہاں سے حاصل کیا۔ اور کسی شخص سے انکا استفادہ کیا اطمینان حاصل ہو جائے۔ پس جاننا چاہیئے کہ آنحضرت کی جبلت ابتدائے فطرت سے کمال طریق نبوت پر اجمالاً مجبول تھی۔ اور اس طریق کے آثار یعنی مناجات کی لذت پانا خصوصاً نمازمیں اور شرع شریف کی تعظیم کرنا اور اتباع سنت کی کمال رغبت اور بدعت کے ساتھ آلودہ ہونے سے کمال نفرت اور طاعات کی طرف طبعی میلان اور معاصی اور گناہوں سے جبلی کراہت سن خردسالی میں آپ پر ظاہر باہر تھی۔ القصہ جبلی طہارت کے آثار آپکی طبیعت کی تہ میں ظاہر تھے۔ اور سعادت ازلیہ کے انوار آپ کی جبیں مبارک میں روشن تھے۔ تا آنکہ سعادت کے خزانوں کی کنجی جسکی مدد سے ہر دو فریق یعنی طریق نبوت اور طریق ولایت کے بند دروازے کھل جائیں۔ آپ کے ہاتھ آگئی۔ اور وہ کنجی کیا تھی۔ یعنی ملازمت جناب ہدایت مآب قدوۂ ارباب صدق و صفا زبدۂ اصحاب فنا و بقا سید ولد العلماء سند اولیا رحمۃ اللہ علی العلمین وارث الانبیاء والمرسلین مرجع ہر ذلیل و عزیز مولینا و مرشدنا الشیخ

(البریلویۃ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۱۱۲)

(البریلویۃ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ ص ۱۱۱)

عبدالعزیز متع اللہ المسلمین بطول بقائہ واعزنا وسائر المسلمین بمجدہ و علائہ کی اور آپکو آنجناب
کے ساتھ طریقہ نقشبندیہ میں بیعت حاصل ہوئی - اور حصول بیعت کے یمن اور آنجناب کی توجہات
کی برکت سے آپکو نہایت عجیب عجیب معاملات ظاہر ہوئے کہ انہیں وقائع عجیبہ کے سبب طریق
نبوت کے کمالات جو ابتدائے فطرت میں مجملاً مندرج تھے - انکی اب تفصیل اور شرح کی نوبت
پہنچی - اور مقامات طریق ولایت بھی اچھی وجہ پر جلوہ گر ہوئے - ان سب معاملات سے اول
اور بہتر یہ ہے - کہ آپ نے جناب رسالت مآب صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو خواب میں دیکھا اور
اور آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین عدد چھوہارے اپنے ہاتھ مبارک سے آپ کو
کھلائے اس طرح سے کہ ایک ایک چھوہارا اپنے ہاتھ مبارک سے لے کر حضرت سید صاحب کے
منھ میں رکھتے تھے اور بعد ازاں کہ آپ بیدار ہوئے - اس رویائے حقہ کا اثر ظاہر باہر اپنے
نفس میں پاتے تھے - اور اسی خواب کی بدولت ابتدائے سلوک نبوت حاصل ہوگیا - بعد
ازاں ایک دن جناب ولایت مآب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا
رضی اللہ عنہا کو خواب میں دیکھا - پس جناب علی مرتضیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ مبارک سے غسل دیا - اور
آپکے بدن کی خوب اچھی طرح سے شست وشو کی جس طرح والدین اپنے بیٹوں کو نہلاتے اور شست
وشو کرتے ہیں - اور جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے نہایت عمدہ اور قیمتی لباس اپنے ہاتھ مبارک
سے آپکو پہنایا - پس اس واقعہ کے سبب سے کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر ہوئے - اور اجتبائے
ازلی جو کہ ازل الآزال میں پوشیدہ تھی - منصۂ ظہور پر جلوہ گر ہوئی - اور عنایات رحمانی اور
تربیت ربانی بلا واسطہ آپکے حال کی متکفل ہوئی - اور پے در پے معاملات اور بے شمار واقعات
وقوع میں آئے - یہاں تک کہ ایک دن حضرت حق جل وعلیٰ نے آپکا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست
قدرت میں پکڑ لیا - اور کوئی چیز امور قدسیہ سے جو کہ نہایت رفیع اور بدیع تھی - آپکے سامنے
کرکے فرمایا کہ ہم نے تجھے ایسی چیز عنایت کی ہے - اور اور چیزیں بھی عطا کریں گے - تا آنکہ
ایک شخص نے آپکے پاس حاضر ہو کر بیعت کی درخواست کی - اور چونکہ آپ ان ایام میں علی العموم
بیعت نہیں لیا کرتے تھے - اسلئے اس شخص کی درخواست کو قبول نہ فرمایا - جب اس شخص نے
نہایت الحاح اور اصرار کیا - تو آپ نے اس سے فرمایا کہ ایک دو روز توقف کرنا چاہیئے - بعد
ازاں جو کچھ مناسب وقت ہوگا - اس پر عمل کیا جائیگا - پھر آپ اجازت اور استفسار کے لئے
جناب حق میں متوجہ ہوئے - اور عرض کیا کہ بندگان درگاہ سے ایک بندہ اس امر کی درخواست

کرتا ہے کہ مجھ سے بیعت کرے۔ اور آپ نے میرا ہاتھ پکڑا ہوا ہے۔ اور اس جہان میں جو کوئی کسی کا ہاتھ پکڑتا ہے ہمیشہ دستگیری کی پاس کرتا ہے اور حضرت حق کے اوصاف کو اخلاقِ مخلوقات کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں۔ پس اس معاملہ میں کیا منظور ہے اس طرف سے حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کریگا۔ اگرچہ وہ لکھوکھا ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے القصہ اس قسم کے وقائع اور ایسے معاملات سینکڑوں پیش آئے تا آنکہ کمالات طریق نبوت اپنی نہایت بلندی کو پہنچے۔ اور الہام اور کشف علوم حکمت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے یہ ہے طریق استفادہ کمالات راہِ نبوت ولیکن کمالات راہ ولایت کے استفادہ کا طریق پس اول سمجھ لینا چاہیئے کہ اولیاء اللہ کے طریق میں سے ہر طریق میں سے مجاہدات اور ریاضات اور اشغال واذکار اور مراقبات معین کیئے ہوئے ہیں۔ اور ان امور میں سے ہر ایک امر طالب کے نفس میں ایک قسم کا اثر پیدا کرتا ہے اور ثمرات اشغال کے توارد کے سبب سے ایک امر مستقر طالب کے نفس میں پیدا ہو جاتا ہے کہ اس امر کے سبب سے طالب کا عالم قدس سے ارتباط ہو جاتا ہے اور وہی امر حضرت حق جل وعلیٰ کیساتھ طالب کے علاقہ کا موجب ہوتا۔ اور وہ امر ہمیشہ طالب کے نفس میں موجود رہتا ہے خواہ اس امر کی طرف طالب کو ملاحظہ ہو۔ یا نہ ہو۔ ہاں اس امر کی طرف ملاحظہ کے سبب سے اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ جوہر نفس میں پوشیدہ رہتے ہیں اور اس امر کو عرف قوم (صوفیہ) میں نسبت کہتے ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک شخص معقول کی کتابوں کی مزاولت کرتا ہے۔ یا دوسرے صنائع ہیں۔ جیسے موسیقی یا آہنگری یا زرگری کی مشق کرتا ہے تو البتہ کچھ مدت کے بعد ایک امر مستقر[1] حادث ہو جائے گا کہ اس کو ملکہ صناعت کہتے ہیں اور وہ ملکہ اس شخص کے نفس میں مستقر رہتا ہے خواہ وہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرے یا نہ کرے۔ ہاں البتہ جب یہ شخص اس ملکہ کی طرف التفات کرتا ہے۔ اور اس کو ظاہر کرتا ہے تو اسکے آثار ظاہر ہوتے ہیں ورنہ پوشیدگی کے پردہ میں مخفی رہتے ہیں۔ جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیئے کہ اگرچہ عادۃ اللہ اس قانون پر جاری ہے کہ کتاب وسنت کے مضامین کتب عربیہ اور فنون ادبیہ کی تحصیل کرنیکے بعد حاصل ہوتے ہیں لیکن بعض نفوس کاملہ کو بطریق خرق عادت پہلے پہل ان مضامین لطیفہ پر اطلاع بخشتے ہیں اور اس کو اصطلاح قوم میں علم لدنی کہتے ہیں اور فنون ادبیہ بعد اسکے ثانیاً انکو میسر ہوتے ہیں بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مبادی کے حاصل کرنے میں دوسرے مبتدیوں کی طرح اس فن کے استادوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی مبادی سے عاری ہی رہ جاتے ہیں القصہ حضرت سید صاحب کو تینوں طریقوں یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ

[1] یعنی ایسا امر جو طبیعت میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔

(۳۳۷ سیرت سید احمد شہید/[illegible])

(الہام/[illegible])

(الہام/[illegible])

کی نسبت مبادی سے پہلے حاصل ہوگئی۔ لیکن نسبت قادریہ اور نقشبندیہ کا بیان تو اس طرح ہے کہ
حضرت مولٰینا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ العزیز کی سعت برکت اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات
کے یمن سے جناب حضرت غوث الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی روح مقدس
آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً عرصہ ایک ماہ تک آپکے حق میں ہر دو روح مقدس کے مابین
فی الجملہ تنازع رہا۔ کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقام اماموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا کہ
آپ کو تمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گذرنے اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے
کے بعد ایک دن ہر دو مقدس روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں۔ اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ
دونوں امام آپکے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پُر زور اثر ڈالتے رہے پس اسی ایک پہر میں ہر دو
طریقہ کی نسبت آپکو نصیب ہوئی۔ و لیکن نسبت چشتیہ پس اسکا بیان اس طرح ہے کہ ایک دن آپ
حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منور کی طرف
تشریف لے گئے اور انکی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ ہو گئے۔ اس اثنا میں انکی روح
پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی۔ اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر
نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتدا حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر اس
واقعہ سے ایک مدت کے گذرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی حرسہا اللہ تعالیٰ عن
آفات الزمان میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ کاتب الحروف
بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان بوسوں کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ
کی گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے۔ اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے اس مجلس
کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل وعلیٰ نے محض اپنی عنایت سے
بلا واسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے بعد ازاں طریقہ چشتیہ کی تعلیم اور تلقین
میں بازوئے ہمت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے یہ ہے طریقہ استفادہ
تینوں نسبتوں کا لیکن باقی نسبتوں کا افادہ جیسے نسبت مجددیہ اور نسبت شاذلیہ وغیرہ پس جاننا چاہیئے کہ
کمالات راہ نبوت ارباب کمال کی بصیرتونکو کحل قدسی سے سرمہ ناک کر دیتے ہیں اور کحل قدسی سبب انکی
بصیرت کا نور حدت اور تیزی قبول کرتا ہے اور انکی بصیرت قدسی آنکھ کی طرح کھل جاتی ہے تاکہ وہ
جس چیز کی طرف التفات کرتے ہیں اس چیز کے حقائق اور دقائق کو اپنی استعداد کے مطابق کما حقہ
دریافت کر لیتے ہیں پس گویا راہ ولایت کی تمام نسبتیں سالک راہ نبوت کے کمال میں مملو مندرج ہو گئی

ہیں صرف اتنی بات ہے کہ کسی چیز کی طرف ادنیٰ سی توجہ متحقق ہوئی تو اس چیز کی حقیقت اپنی تمام شرح
وبسط کے ساتھ ان کی بصیرت کے سامنے حاضر ہو جاتی ہے کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اس کلام سے ائمہ طرق
ولایت پر سالک راہ نبوت کو فضیلت دینا مقصود ہے بلکہ اس کلام سے مقصود یہ ہے کہ سالک راہ نبوت
کے نفس میں ایک نور قدسی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نور کے سبب سے ہر صاحب نسبت کی نسبت کو
اگرچہ اس سے افضل اور اعلیٰ ہو ادراک کر سکتا ہے جس طرح مجمع النور میں قوت باصرہ رکھی ہوئی ہے
کہ اسی قوت کے سبب کے ہر نورانی جسم کو تیزی اور کمزوری کے مقدار پر ادراک کر سکتا ہے اگرچہ
اس کا جسم کا اشراق نور بصری سے اعلیٰ اور اقویٰ ہو۔ واللہ اعلم ۔ لیکن مبادا کہ اخذ کرنا پس جاننا چاہیئے
کہ اشغال اور اذکار اور مجاہدات اور مراقبات کا مقرر کرنا فی الحقیقت تشریع کا ظل ہے اور جو صاحب
قرب فرائض کے مقام میں قائم ہو جاتے ہیں اگر یہ بزرگ از قسم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہونگے
تو ضرور ہے کہ شریعت مجددہ کے صاحب ہوں گے نہیں تو طرق موصلہ الی اللہ کے اوضاع کا معین
کرنا فوارہ کی طرح ان کی طبیعت سے جوش مارتا ہے اس میں تعلیم اور تعلم کو گنجائش نہیں۔

فائدہ۔ ان چند کلمات میں جو حضرت سید صاحب کے معاملات اجمالی اشارات پر مشتمل ہیں بڑے
بڑے فائدے ہیں اور بڑی منفعتیں ہیں منجملہ ان فوائد کے ایک فائدہ تو وہ ہے جو شروع میں مرقوم
ہو چکا اور منجملہ ان کی ہی تحدیث بنعمۃ اللہ (یعنی نعمت الٰہی کا اظہار) کہ امر واما بنعمۃ ربک
فحدث کی تعمیل اس میں منصور ہو سکتی ہے اور منجملہ ان فوائد کے غافلین کا بیدار کرنا کہ جو شخص
حق جل وعلیٰ کا طالب ہو اور حضرت کی حق طلب صادق اس کے دل سے پیدا ہوئی ہو اس کو اپنے
مطلب یابی کے مقام کی طرف ہدایت ہو جاتی ہے اور منجملہ ان کے زمانہ کے جاہلوں کی تنبیہ کرنا ہے
کہ انہوں نے ولایت ربانی کو ممتنعات عقلیہ سے شمار کر کے اوائل امت پر اسے منحصر سمجھ کر انقطاع
نبوت کی طرح ولایت کے انقطاع کے قائل ہو گئے ہیں۔ فقط

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا وَّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمْ ۔

تمّت

عالمِ اسلام کی علمی تصانیف میں عظیم الشان اضافہ
حیاۃ الصحابہؓ
بزبان عربی تین جلدوں میں ـــــ ترجمہ بزبان اردو تین جلدوں میں
عربی تالیف رئیس تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دہلوی قدس سرہٗ
اردو ترجمہ عالمِ دوراں حضرت مولانا محمد عثمان صاحب فیض آبادی مدظلہٗ
حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لئے محنت اور بے پناہ جد و جہد اور ان کے مجاہدانہ صفات، کمالات، ان کے پاکیزہ حالات، واقعاتِ فقر و صبر، زہد و قناعت اور ایمان و یقین سے متعلق ہزاروں احادیث و قصص کا وہ بے مثال و دلکش مجموعہ ہے جو احادیث کی ضخیم کتابوں سے انتہائی کاوش سے مؤلف نے جمع فرمایا ہے۔ جس کے پڑھنے سے عہدِ رسالت و خلافتِ راشدہ کے چلتے پھرتے عملی نمونے دل و دماغ میں سما جاتے ہیں۔ مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ دارالعلوم حرم نبوی مدینہ منورہ و دیگر بلادِ اسلامیہ کے مدارس میں داخلِ درس ہے۔ جملہ مدارس عربیہ میں اس کی تدریس، کالجوں، ہائی اسکولوں اور مکتبوں اور عام مدرسوں نیز پبلک لائبریریوں میں اس کے قابلِ قدر اردو ترجمہ کا مطالعہ ہونا زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنے کا ذریعہ ہوگا۔ اردو ترجمہ علمائے حقانی کا پسندیدہ، ترجمہ لفظی ہونے کے باوجود انتہائی سلیس اور بامحاورہ ہے، طباعت عمدہ بذریعہ آفسیٹ مشین۔ سائز ۱۸x۲۳ کاغذ عمدہ سفید مجلد خوشنما اسکرین سے چھپی ہوئی، دیدہ زیب، ہر گھر میں اس کا موجود رہنا باعثِ خیر و برکت
خط لکھ کر آج ہی طلب فرمائیں۔
ادارہ نشریات اسلام
اردو بازار ۔ لاہور